فائزہ افتخار

طنابیں گلاب خوابوں کی

اسے ابی کی بے نیازی بری طرح کھل رہی تھی جو اس کے گھنٹہ بھر سے آس پاس منڈلانے اور منّ منّ کر کے کچھ کہنے کی کوشش کو نظرانداز کرتے ہوئے مسلسل گیندے کے پھول کے لاڈ اٹھانے میں مصروف تھے۔

"ابی پلیز۔۔۔" اس نے "پلیز" کو لمبا کھینچتے ہوئے ایک بار پھر ان کی توجہ حاصل کرنے کی کوشش کی اور شاید وہ سر اٹھا کر اپنے سب سے چھوٹے سپوت پر نظر کرم ڈال ہی لیتے اگر باگڑو ایک دم سے ہی آ کر ان کے پیروں پہ لوٹنا نہ شروع کر دیتا اور نتیجتاً ان کی توجہ کی ڈوری ایک بار پھر مہران کے ہاتھ آتے آتے رہ گئی۔

"اوہ کی گل اے میرے باگڑو۔۔۔ میرا شیرا۔" وہ



اپنے پلے پلائے موٹے تازے بلے کے لاڈ اٹھانے لگے۔

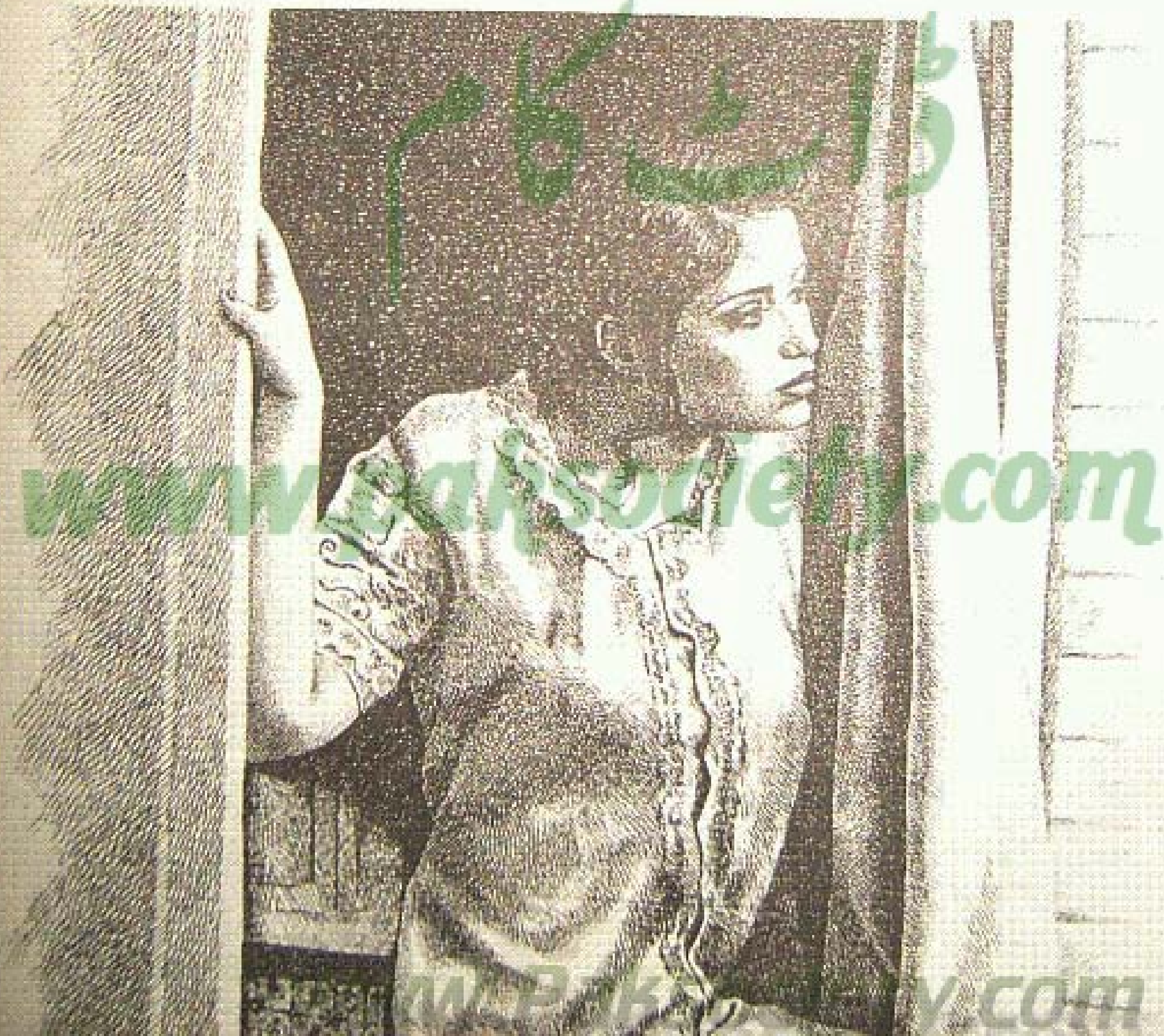
"اف ف..." مہران نے لب بھینچ کر باگڑو کے منحوس تھوبڑے کو غصے سے دیکھا جو اس کے ابی کے زانو پہ دھرا تھا' اس کی چنی منی سی آنکھیں بند تھیں۔ لیکن پھڑپھڑاتی ہوئی مونچھوں تلے مہران کو خوامخواہ ہی ایک طنزیہ مسکراہٹ بھی نظر آگئی اور تو اور اسے یہ بھی لگنے لگا کہ خبیث باگڑو ضرور پلکوں کی جھری سے اس کی بے بسی کا مزہ لوٹ رہا ہے۔

"ابی! آپ میری بات بھی سنیں گے یا نہیں؟" اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہتے ہوئے ایک بار پھر ڈھیٹ پن کا مظاہرہ کیا۔

"کچھ منہ سے پھوٹو گے بھی یا نہیں؟" بدستور اس سے رخ پھیرے پھیرے ہی خواجہ خلیق الرحمان نے ننھی سی جھڑکی دی۔

"ابی! میں یہ کہنا چاہ..." بات تو شروع کرلی اس نے لیکن ابی کی بے توجہی بھانپ کر پھر چپ کرگیا۔ ان کا ایک ہاتھ گود میں "کاکا" بن کر لیٹے باگڑو کو تھپک رہا تھا تو دوسرے ہاتھ میں پکڑی چھڑی کی نوک سے وہ کیاری میں نجانے کیا کھود کر نکالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس نے وہیں کھڑے کھڑے ابی کی اس سلطنت کا رقیبانہ جائزہ لیا جہاں آکر وہ خود کو فراموش کر بیٹھتے

مکمل ناول



تھے تو اولاد کیا چیز تھی۔ اس نے مٹھی میں بال بھینچتے ہوئے کینہ توز نظروں سے ایک ایک چیز کو گھورا۔

املتاس کے پیلے پیلے گچھوں سے لدے تین درخت۔

لکڑی کے چرچراتے گیٹ کے دائیں طرف والی دیوار کو مکمل ڈھانپے ہوئے منی پلانٹ کی سرسبز بیل جسے انہوں نے اپنی خوش بختی کی علامت سمجھ رکھا تھا۔

لیموں کے قد آور پودے کے ساتھ بنا باگڑو کا قلعہ۔

موتیے اور رات کی رانی کے پودے جن کی مہک کا پوری کالونی میں اگے ہوئے پھولوں کی خوشبو سے مقابلہ کرنا ابی کا محبوب مشغلہ تھا۔

پچھلی طرف والی دیوار کے ساتھ بنی کیاریوں میں اُگے گلاب گیندے اور سورج مکھی کے پھول..... ان سے ذرا آگے لان کے عین وسط میں بنے مختصر سے کھیت میں سے جھانکتے گوبھی کے پھول' پتوں میں چھپی بھنڈیاں اور توریاں' شاخوں سے لٹکتے بدہیئت بینگن.....

اس بدذائقہ کھیت کے کچھ نزدیک ہی ابی کی کرسی دھری تھی جس پہ اس وقت وہ بیٹھے مہران کی قوت برداشت کا امتحان لینے میں مصروف تھے۔ اس نے چڑ کر پھر سے سر گھمایا۔ برآمدے کی سیڑھیاں اترتی "بھابھیز" پہ نظر پڑی تو بالکل ہی ہمت ہار دی۔

"اب کیا خاک بات ہو سکے گی۔" اس نے چائے اور اس کے لوازمات سے بھری طشتریاں اٹھائے بھابیوں کے ٹولے کو دیکھا اور تھکے تھکے قدموں سے اندر کی طرف بڑھنے لگا۔

"کہاں چلے برخوردار؟ تم تو کچھ کہنے والے تھے ناں؟ کوئی اہم بات؟" ابی نے پچھلے آدھے گھنٹے میں اب کہیں جا کر اسے سر اٹھا کے دیکھا۔

"پھر کبھی....." بڑے ہی ضبط کے ساتھ وہ صرف یہ دو الفاظ ادا کر پایا۔

"کمال ہے..... حد ہے بدتمیزی کی..... پچھلے دو گھنٹوں سے مجھے باندھ کر رکھا ہے۔ بات کرنی ہے' بات کرنی ہے۔ سب کام چھوڑ چھاڑ میں صاحبزادے کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھا ہوں۔ اب فرما رہے ہیں۔ پھر کبھی..... بہت خوب..... سارا موڈ غارت کر کے رکھ دیا۔"

"اور میرے موڈ کی اس وقت کونپلیں پھوٹ رہی ہیں ناں جیسے۔" ایک بار پھر اس نے ضبط سے کام لیا اور دل ہی دل میں ابی کی مبالغہ آرائی کی داد دیتا ہوا برآمدے کی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

"چائے نہیں پیو گے مہو؟" بڑی بھابھی نے پاس سے گزرتے دیور کو مخاطب کیا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا' لب کھولنے سے وہ ہنوز گریز ہی کر رہا تھا۔ مبادا جلے دل کی ساری بھاپ زبان کے رستے باہر نہ نکل جائے۔

"میٹھی ٹکیاں بنائی ہیں اور بینگن کے پکوڑے بھی۔" بھابھی نمبر دو نے اٹریکشن پیدا کرنی چاہی' نجانے کیسے وہ بھول گئیں کہ بینگن مہران کی چڑ ہیں اور وہ جو سوجی کی سوندھی سوندھی خوشبو والی کرکری خستہ میٹھی ٹکیوں کا تصور کرتے ہوئے رک گیا تھا' منہ میں گھلتے ذائقے پہ بینگن کی کڑواہٹ محسوس کر کے پھر سے پیر پٹختا آگے بڑھ گیا۔

مہ جبیں بھابھی نے اپنی جبیں پہ سجی شکنوں میں چند ایک اور کا اضافہ کرتے ہوئے اسے تبصرہ کرتی نگاہوں سے گھورا جبکہ سب سے چھوٹی بھابھی نے پیچھے سے بھی آواز لگائی۔

"کمرے میں چائے بھجوا دیتی ہوں مہو اور ساتھ میں آلو کے پکوڑے بھی..... بس ابھی ڈالتی ہوں کڑاہی میں۔"

"مہ ناز..... مت ناز اٹھاؤ اس کے..... سر پہ چڑھتا جا رہا ہے۔" ابی نے دور سے ہی تنبیہ کی۔ اس کے دھم دھم کرتے قدم اور زور سے فرش پہ بجنے لگے۔

"قیں..... قیں....." برآمدے کا دروازہ کھولتے ہی "ڈونالڈ" پھرتی کے ساتھ اس کی ٹانگوں کے درمیان سے ہوتا ہوا اس سے پہلے ہال کمرے میں پہنچ گیا۔ مہران نے غصے سے ابی کے ایک اور لاڈلے کی بدتمیزی

ملاحظہ کی۔ گردن گھما کے لان کی طرف دیکھا جہاں اس وقت امی اپنی چہیتی بہوؤں کی سنگت میں ٹی پارٹی سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ وہ تخریبی اسٹائل میں مسکراتا ہوا اس بدشکل بطخے کی طرف بڑھا جو ٹھمک ٹھمک چلتا ہوا کچن کا رخ کر رہا تھا۔

"لالچی بدنیتا۔۔۔۔" مہران نے بڑبڑا کر اسے دو نئے نام دیے۔ کچن سے نکالنے سے پہلے امی اس کی پیٹ پوجا کا انتظام جو کر دیتی ہیں' اس لیے ہر وقت وہاں گھسنے کے لیے تاک لگائے بیٹھا رہتا ہے۔ مہران جانتا تھا امی اس وقت اپنے کمرے میں عصر کی نماز ادا کر رہی ہوں گی اور بھابیز تو اب ٹرے کے ٹرے صاف کر کے ہی اندر آئیں گی۔

"اس سے اچھا موقع اور کوئی نہیں اس بے سُرے ڈونالڈ سے نجات حاصل کرنے کا۔"

آج کل اس کے ذہن میں ہمہ وقت ایسے ہی باغیانہ اور تخریبی منصوبے کلبلاتے رہتے تھے۔ جس وقت وہ امی کے سامنے کھڑا ان کی چند لمحوں کی توجہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا تب ہی اس کا دل شدت سے چاہ رہا تھا کہ شدت سے ان بھرے بھرے پھولوں کی ایک ایک پتی نوچ لے۔

لمبی لمبی مریل سی بھنڈیوں کا کچومر نکال دے۔

توریوں کو مروڑ کر رکھ دے۔

اور کچھ نہیں تو کم از کم اس ذلیل بانگڑو کی دم ہی پیروں تلے اس بری طرح کچل کر رکھ دے کہ دو دن تک بلبلاتا پھرے۔

ہائے۔۔۔۔ لیکن۔۔۔۔ امی کی نظر اگر نہیں پڑتی تھی تو صرف اس پہ ہی نہیں پڑتی تھی ورنہ اپنی اس راجدھانی کی چوکسی وہ خوب کیا کرتے۔ "اس بھدے بے سُرے قوال کی چونچ نہیں بند ہو سکتی ورنہ بغیر ذبح کیے ہی راحت کی طرف لے جاتا' وہ خود ہی حلال کرتا اور پھر خود ہی روسٹ کرتا۔" بڑبڑاتے ہوئے اس نے ایک تیز دھار چھری لہرائی اور ڈونالڈ کو گردن سے دبوچ لیا۔

"قیں۔۔۔ قق قق۔۔۔۔" اس نے دردناک آوازیں نکالیں' مہران کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ وہ جانتا تھا امی کی نظر کے ساتھ ساتھ کان بھی کس قدر تیز ہیں۔

"بھوؤ۔۔۔ بھوؤ۔۔۔۔"

اس چیلنج بھرے بھونکنے نے اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا کر دیے مارے بوکھلاہٹ کے اس کے ہاتھوں سے چھری چھوٹ گئی۔ "کیسا شور مچا رکھا ہے۔۔۔ وہ موا کتا اندر تو نہیں گھس آیا؟" امی حواس باختہ سی کچن میں داخل ہوئیں۔

"تو اور کیا؟ کچن میں دندناتا رہا تھا وہ کتا۔ اگر کسی ہانڈی میں منہ مار دیتا تو؟ امی نے بڑا سر چڑھا رکھا ہے ان خبیثوں کو۔ اتنی مشکل سے میں نے اس کتے کے بچے کو نکالا ہے۔"

"اونہوں۔۔۔ مہران۔۔۔ گالی نہیں بکتے۔" امی نے سرزنش کی تو وہ جھلا گیا۔

"جب آپ ہی معاملے کی سنگینی نہیں سمجھ رہیں۔ امی سے تو کسی قسم کی سنجیدگی کی امید رکھنا فضول ہے۔"

"میری سنجیدگی تو تمہارے امی کے مزاج سے وابستہ ہے' صاف بات تو یہ ہے۔" انہوں نے دامن چھڑایا تو وہ بجھ سا گیا۔

"یعنی آپ بھی میری کوئی مدد نہیں کریں گی۔ امی۔۔۔ کبھی تو۔۔۔۔ کبھی تو بیوی کے بجائے صرف ماں بن کر سوچیں۔۔۔۔ کیا آپ کے خیال میں میرا یہ مسئلہ غیر اہم ہے اور کیا امی کا موقف انتہا پسندانہ نہیں ہے؟" اس نے منت کی تو تسلے میں دال بھگوتے ہوئے شفیقہ خاتون کے ہاتھ تھم گئے۔ نظر اٹھا کے خوبرو جوان بیٹے کو دیکھا جو سب سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے سب سے لاڈلا بھی تھا۔ دل پسیج گیا۔

"میں مانتی ہوں' ان کا رویہ بہت سخت ہے۔ کچھ سننے پہ تیار ہی نہیں ہوتے وہ۔ کم از کم میری تو ایک نہیں سنیں گے۔"

"اور وہ "ایک" آپ کبھی کہہ بھی نہیں سکیں گی۔" وہ ناراض ناراض سا واپس پلٹنے لگا۔

"ایک طریقہ ہے۔" امی کی آواز پہ وہ خوش گمان ہو

کر پھر رک گیا۔
"اگر سب لوگ مل کر انہیں سمجھائیں' انہیں منانے کی کوشش کریں تو ہو سکتا ہے بات بن جائے۔"
"سب لوگ کون؟ یہ سب؟ یعنی بھابیز مع فیملیز... توبہ کیجیے... یہی تو امی کی مشیرنیاں ہیں اور یہ بھلا کہاں میرا ساتھ دیں گی۔ میرا گھر بسانا تو بڑی بات ہے' اس کا ذکر سنتے ہی چاروں کے زخم ہرے ہو جاتے ہیں۔ کورس میں بھل بھل رونا شروع ہو جاتی ہیں۔"
"وہ تو بس..." امی نے سر جھٹکا۔ "وہ الگ بات ہے لیکن مجھے یقین ہے میں ان سے پیار سے بات کروں گی تو وہ ضرور سمجھ جائیں گی۔"
"وہ شاید سمجھ تو جائیں لیکن یہ بات بھول جایئے کہ میرے سلسلے میں وہ ابی سے بات کرنے پہ تیار ہوں گی... وہ کب چاہتی ہیں کہ... آپ لکھ لیجیے میری بات... یہی چاروں ہیں ابی کے دماغ میں الٹے سیدھے خیال بھرنے والی۔ آپ بس اندر بیٹھی نمازوں کے بعد لمبے لمبے وظیفے پڑھا کیجیے اور وہ جنگنوں کے پکوڑے بنا بنا کے انہیں کھلاتی رہیں اور ان کے مزاج اور بگاڑتی رہیں۔"
"بری بات بیٹا! میرے چندا ایسے نہیں کہتے اپنے بڑوں کے بارے میں اور نہ سوچتے ہیں۔"
"ٹھیک ہے... مان لیا سب مجھ سے بڑے ہیں۔ میں سب سے چھوٹا سہی مگر اب اتنا بھی چھوٹا نہیں اور نہ ہی تمام عمر چھوٹا رہوں گا۔ جوان تو ہو چکا ہوں' ایک دن بوڑھا بھی ہو جاؤں گا لیکن ہوتا رہوں' آپ کو کیا' ابی کو کیا؟" وہ کچن سے باہر جا چکا تھا لیکن شفیقہ خاتون اسی طرح بے بسی کے عالم میں کھڑی اس کی باتیں دہرا رہی تھیں جو حرف بہ حرف سچی تھیں لیکن خواجہ خلیق الرحمان... وہ جس بات پہ اڑ جاتے پھر اس سے ایک انچ سرکنا بھی مشکل تھا۔



خواجہ خلیق الرحمان بس ایسے ہی تھے۔ یہ بات نہیں کہ ان کا دل بہت سخت تھا یا اولاد کے لیے وہ بہت کٹر قسم کے باپ ثابت ہوئے تھے۔ دل تو ان کا بہت گداز تھا اور اس میں پیار بھی بے حد و بے حساب بھرا ہوا تھا۔ جب وہ اپنے ہاتھوں لگائے پھولوں پودوں کے لیے اتنے حساس ہو سکتے تھے تو اپنی پیدا کی گئی اولاد کے لیے کیوں نہیں۔ اپنے پالتو جانوروں کے لیے اتنے ذمہ دار ثابت ہو سکتے تھے تو اولاد کے سلسلے میں لاپروائی کیسے برتیں گے لیکن... ایک بات ایسی تھی جس کے آگے وہ بے بس تھے۔ بس یہاں آ کر ان کا دل سخت ہو جاتا تھا۔ برسوں پہلے وہ جو خواب دیکھ چکے تھے' اس کی تعبیر کھلی آنکھوں دیکھنے کی خواہش وقت کے ساتھ ساتھ اور پختہ ہوتی چلی گئی۔ ابی کی خواہش پہلے پہل اسے بھی اوروں کی طرح انوکھی مگر بے ضرر سی لگتی تھی لیکن اب حالات کیا سے کیا ہو جانے کے باوجود بھی ان کا اسی طرح ضد پہ ڈٹے رہنا اسے سراسر ناانصافی اور ہٹ دھرمی لگنے لگا۔
خواجہ خلیق الرحمان کے جب اوپر تلے پانچ بیٹے ہوئے تو سب کو ان کی خوش بختی کا یقین ہو گیا لیکن ان کے دل میں جو پہلے بیٹے کے بعد سے ہی ایک پیاری سی' من موہنی سی' منی سی گڑیا بیٹی کی تمنا جاگ اٹھی تھی وہ مرجھا سی گئی۔ سن تو یہی رکھا تھا کہ بیٹی ہی والدین کا سہارا ہوتی ہے۔ غم خوار و مونس ہوتی ہے۔ پرائی ہو کر بھی اپنی رہتی ہے جبکہ بیٹے اپنے ہو کر بھی پرائے ہی رہ جاتے ہیں۔ اپنا دکھ بے جی سے بانٹنا چاہا تو وہ ہنس پڑیں۔
"جھلیا! تو سدا جھلا ہی رہے گا۔ باتیں بس باتیں ہی ہوتی ہیں۔ کوئی تقدیر کا لکھا حکم تو نہیں۔ تو کیوں فکر کرتا ہے۔ چند سالوں کی بات ہے تیرے ویہڑے بھی ایک کے بعد ایک ووہٹی اترے گی تو سارے دھیوں والے چاؤ کر لے گا انشااللہ۔" بے جی کی تسلی بھی ان کی ہمت نہ بڑھا سکی۔
"لیکن بے جی! کیا پتا آگے قسمت میں کیا لکھا ہے۔ آنے والیاں کیا تحفے لے کے آتی ہیں۔ کہیں بیٹے بھی نہ چھین کے لے جائیں۔ بالکل خالی ہاتھ ہی

رہ جاؤں۔ لڑکے تو پھر اپنی بیویوں کے کہنے پر چلتے ہیں ناں۔"

"تو تو نہیں چلتا اپنی زنانی کے کہنے پر۔" بے جی نے چھیڑا۔ "بے چاری کی جان قبض کیے رکھتا ہے' ساہ (سانس) سُکھائے رکھتا ہے اس کا۔"

"نہیں بے جی۔" وہ شرمندہ سے سر جھٹکنے لگے۔ "میں نے کیا سانس سُکھانا ہے۔ وہ تو.... بس ہے ہی ایسی۔ اور پھر وہ مجھے کچھ کہے گی تو میرے کچھ کرنے کی نوبت آئے گی۔"

"اس کا مطلب ہے وہ تجھے الٹی سیدھی پٹیاں نہیں پڑھاتی تو پھر ثابت یہی ہوا کہ بہو میں بھی اچھی ہوتی ہیں۔ ضروری نہیں ساری کی ساری ڈائنیں ہی ہوں۔"

"اوہو بے جی۔ شفیقہ کو کیا تکلیف ہو سکتی ہے یہاں۔ میں آپ کا اکیلا اکیلا بیٹا۔ ابا جی اس کے گھر آنے سے پہلے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ نہ دیور جیٹھ کا رولا (شور)' نہ دیورانی جیٹھانی کا جلاپا' بس اس کا اپنا ہی راج ہے۔ ایک آپ ہی آپ ہیں جو مصلے پہ بیٹھے بیٹھے اسے دعائیں دیتی رہتی ہیں۔ آپ سے اسے کیا شکایت۔ اس لیے گھر اتنا سکون سے چل رہا ہے لیکن میرے خیر سے پانچ بیٹے' سب کی اپنی اپنی بیویاں.... الگ الگ گھروں کی' الگ الگ مزاج والی' الگ الگ عادتوں والی' اپنی اپنی فطرت اور خصلت لے کر آئیں گی۔ بھلا کتنے دن گزارا کر سکیں گی اکٹھے ایک ہی چھت تلے۔ ایک کو دوسری کی عادتیں بری لگیں گی' دوسری کو تیسری کے رہن سہن پہ اعتراض ہو گا' تیسری کا چوتھی سے نباہ کرنا مشکل ہو گا تو چوتھی کو پانچویں کا وجود کھٹکے گا۔ ان کی کھینچا تانی میں.... بے جی میرے بچے.... میرے بیٹے بکھر جائیں گے۔ میرا آشیانہ تنکا تنکا ہو جائے گا۔ کیا فائدہ میرے برسوں محنت کر کر کے انہیں پالنے پوسنے کا۔ مجھے اتنی جان مار کر کیا ملے گا۔"

"اچھا چل چھوڑ ساری فکریں' بڑا آیا سیانا کہیں کا۔ بڑا پتر تیرا پانچویں چڑھا ہے اور چھوٹا ابھی گودی ہے اور

توان کی زنانیوں کے جھگڑوں میں الجھا ہوا ہے۔ دماغ خراب ہو گیا ہے تیرا تو خلیق کا کے۔" نفیسہ بیگم ضائع جاتے دیکھ کے بے جی کی خفگی پھر عود کر آئی اور وہ ڈانٹ ڈپٹ کے بیٹے کے سر پہ سے یہ فضول بوجھ اتارنے لگیں۔

"اور اگر اتنی ہی راتوں کی نیندیں اڑی ہوئی ہیں تو پھر میرا مشورہ مان۔ لڑکوں کے جوان ہوتے ہی ان کی شادی کسی ایسے گھر کرونا جہاں پانچ بہنیں ہوں۔ سب کی بیویاں سگی بہنیں ہوں گی تو تیرا ڈر بھی جاتا رہے گا کہ دیورانی جٹھانی کا جھگڑا گھر توڑ دے گا۔ ایک گھر کی پلی بڑھی بچیوں میں تو نباہ ہو جائے گا۔"

بے جی کے اس مشورے پہ خواجہ خلیق الرحمان نے استہزائیہ ہنکارا بھرا اور چپ رہے۔ بڑھاپے میں تنہا رہ جانے کا خوف ابھی سے ان کی نیندیں اڑائے ہوئے تھا اور یہ تب کی بات ہے جب ان کا سب سے بڑا بیٹا خواجہ فرقان خلیق میٹرک کے امتحان میں پاس ہوا تھا۔ وہ پورے محلے اور ساری برادری میں لڈو بانٹتے نہ تھک رہے تھے۔ لڈوؤں کا ٹوکرا لے کر وہ بڑی خوشی خوشی اپنے تاؤ جی کے ہاں گئے تھے۔ گھر بار اور کاروبار کی الجھنوں میں پڑ کے کئی کئی مہینے وہاں جانا نہیں ہو پاتا تھا ورنہ وہ اپنے تاؤ جی سے بڑی محبت اور انسیت رکھتے تھے۔ اباجی کے گزرنے کے بعد انہی میں والد کی شبیہہ ڈھونڈتے تھے۔ شفیقہ نے یہ بڑا سا ٹوکرا دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔

"یہ کیا جی؟ سارے گھروں میں تو ڈبے اور تاؤ جی کے گھر پورا ٹوکرا۔"

"تو تاؤ جی کا ٹبر (کنبہ) بھی تو بڑا ہے ناں۔ بڑے بھائی صاحب تو خیر سے پوتے والے بھی ہو گئے۔ باقی سب بھی اپنے اپنے بیوی بچوں والے۔ بہنیں بھی اپنے اپنے گھر والی۔ تاؤ جی ان کے گھر بھی تو چار چار لڈو پکڑائیں گے آخر پھوپھیاں ہیں وہ میرے فرقان کی۔"

"ہاں یہ تو ہے ماشاءاللہ جی بھی تو زیادہ ہیں تاؤ جی کے گھر۔ واقعی یہ ٹوکرا ہی پورا آئے گا۔" شفیقہ سرہلا کے چپ ہو رہیں لیکن واپسی پہ جب خواجہ صاحب کا بجھا بجھا چہرہ، پیلی پھٹک رنگت اور گم صم کیفیت دیکھی تو چونک گئیں۔

"کیا بتاؤں شفیقہ! مجھے تو خود یقین نہیں آرہا یہ سب کیسے ہوا۔ کس نے تاؤ جی کے ہنستے بستے گھرانے کو نظر لگا دی۔ لیکن..... کسی کے نظر لگانے سے ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا برسوں میں بنائے گئے گھر اتنے کچے ہوتے ہیں کہ یوں دیکھتے ہی دیکھتے اجڑ جائیں، برباد ہو جائیں۔"

"ہائے ہائے خیر کی بات کریں خواجہ جی' اللہ خیر رکھے ہر طرف۔" وہ ہول اٹھیں۔

"اب کیا خیر ہونی ہے شفیقہ! جا کر دیکھو ذرا تاؤ جی کا گھر۔ کیسی چہل پہل ہوتی تھی سارے میں۔ یہ لمبا دسترخوان بچھتا تھا۔ سارے مل کر کھانا کھاتے تھے۔ ہنستے بولتے تھے۔ اب..... اب تو ایک دوسرے کو دیکھنا بھی گوارا نہیں۔ وہی گھر ہے وہی چھت' بس فرق یہ پڑا ہے کہ چند دیواروں کا اضافہ ہو گیا ہے۔ تینوں بھائی الگ الگ ہو گئے ہیں۔ اپنا حصہ انہوں نے علیحدہ کر لیا ہے۔ کاروبار میں بھی اور مکان میں بھی۔ جب سے انہوں نے چھوٹے دونوں لڑکوں کی شادی کی ہے۔ خاندان میں یہی تذکرہ ہو رہا تھا۔ میں سن کر بھی یقین نہیں کیا۔ آج اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ سراج اوپر چلا گیا ہے بیوی بچے لے کر' معراج اور وہاج دونوں نے نیچے کے حصے کو دو حصوں میں بانٹ لیا ہے دیوار کھڑی کر کے۔ اور تو اور جانتی ہو سراج بھائی صاحب نے اوپر جانے کے لیے سیڑھیاں بھی گھر کے باہر سے رکھوائی ہیں۔

ان کے جھگڑے میں نقصان کس کا ہوا' تاؤ جی کا اور ان کے بیٹوں کا۔ خون کے رشتے کو یہ جلاپا لے ڈوبا۔ مجھ سے تاؤ جی کا حال دیکھا نہیں جاتا۔" ان کی آواز بھرا آئی تو شفیقہ کے آنسو بھی چھلک پڑے۔

"تینوں نے ان کی ذمہ داری بھی بانٹ لی ہے۔ ایک ایک مہینہ تینوں کے پاس رہیں گے اور تمہیں تو پتا ہے کہ کئی سالوں سے وہ کمر کی تکلیف کی وجہ سے

سیڑھیاں نہیں چڑھ پاتے نہ ہی اتر سکتے ہیں۔ جب بٹوارہ ہوا تو اصول کے مطابق پہلا حصہ بڑے بھائی کو ملا یعنی دوسرے سامان کے ساتھ ساتھ تاؤ جی کو بھی مزدور اٹھا کر اوپر لے گئے اور تاؤ جی بتا رہے تھے کہ پرسوں جیسے ہی تیس دن پورے ہوئے' سراج بھائی صاحب انہیں اٹھا کر نیچے صحن میں بٹھا گئے' کپڑوں کا تھیلا پاس رکھا اور کال بیل دبا کے اوپر چڑھ گئے۔"

"ہائے اللہ۔" رقیق القلب شفیقہ کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ "اندھیر ہے۔۔۔۔ میری توبہ۔۔۔ غضب پڑے گا ان پہ خدا کا۔۔۔۔ ذرا خوف نہیں ان کے دلوں میں۔"

روتے روتے ان کی نظر سفید پڑتے خواجہ صاحب پہ گئی تو رونا دھونا بھول کر انہیں سنبھالنے لگیں۔

"کیا ہوا جی آپ کو؟ حوصلہ کریں خواجہ جی۔۔۔۔ یہ پانی پئیں۔" چند گھونٹ پانی کے بھرنے کے بعد ان میں ذرا ہمت آئی تو ٹوٹے ٹوٹے لہجے میں بولے۔

"شفیقہ! ہمارا بھی یہی ہوگا۔ یہی حال ہوگا۔۔۔ دیکھ لینا۔"

"اللہ نہ کرے جی۔ ہمارے بیٹے تو ماشاءاللہ۔۔۔۔" وہ تسلی دینا چاہتی تھیں لیکن خواجہ صاحب نے بات کاٹ دی۔

"ہمارے بیٹے تو ماشاءاللہ پانچ ہیں۔۔۔۔ تاؤ جی کے تین بیٹے اکٹھے نہ رہ سکے تو ہمارے پانچوں کیسے رہ لیں گے۔ میں تو یہ سوچ رہا ہوں تاؤ جی کا اتنا بڑا مکان تھا۔ آسانی سے تین حصے ہو گئے۔ میرا مکان تو بس اتنا سا ہی ہے' پانچ حصے تو ہرگز نہ ہو سکیں گے۔ اس کا مطلب ہے میرے بیٹے ایک چھت تلے بھی نہ رہ پائیں گے۔ ہم مہینوں ان کی شکلیں دیکھنے سے بھی ترسا کریں گے۔ ہماری بھی باریاں لگا کریں گی' ایک مہینہ فرقان کے گھر' ایک مہینہ نقمان کی طرف پھر وہاں سے عمران کے ہاں۔۔۔ ہائے شفیقہ! ہمارے ساتھ بہت برا ہونے والا ہے۔۔۔ بہت برا۔۔۔۔" وہ روہانسے ہو گئے پھر جیسے کسی خیال کے تحت فیصلہ کن لہجے میں بولے۔

"نہیں میں اپنا بڑھاپا در در نہیں رولنے دوں گا ان لڑکوں کو۔ میں ان کی شادیاں ہی نہیں کروں گا۔ ساری کل کل ہی ختم۔" شفیقہ خاتون کے تو ہاتھ پیر پھول گئے' اگرچہ ابھی فرقان سولہویں سال میں تھا اور کئی سالوں تک اس کی شادی کا امکان نہ تھا لیکن وہ جانتی تھیں خواجہ صاحب کسی بات پہ اڑ جائیں تو پھر انہیں باز رکھنے کی ہر کوشش بے سود ہوتی ہے۔ اس لیے فوراً انہیں ٹھنڈا کرنے لگ گئیں۔ ان سے زیادہ کون جانتا تھا کہ یہ دعوے محض غصے میں آ کر کہے گئے چند الفاظ نہیں بلکہ پتھر پہ لکیر ثابت ہو سکتے ہیں اگر ان کا فوری سدباب نہ کیا گیا تو۔۔۔۔

"کیسی باتیں کر رہے ہیں خواجہ صاحب! کیوں اپنی جگ ہنسائی کرانا چاہتے ہیں۔ بھلا ایسا بھی کہیں ہوتا ہے۔ خدا کی رحمت سے کیوں ناامید ہوتے ہیں جی؟ ہو سکتا ہے آپ کے یہ تمام خدشے بے بنیاد ثابت ہوں۔۔۔۔ ہو سکتا ہے' آنے والیاں اور بھی زیادہ برکت لے کر آئیں آپ کے گھر۔۔۔۔ ہو سکتا ہے ان کے آنے سے ہمارے بچے اور بھی زیادہ مضبوطی سے جڑ جائیں اور ہو سکتا ہے۔۔۔"

"بس کرو خدا کا واسطہ ہے۔ چپ ہو جاؤ۔ تمہاری اس "ہو سکتا ہے" کے پیچھے میں یہ گھر داؤ پہ نہیں لگا سکتا۔ چلو مان لیا "ہو سکتا ہے" کہ کوئی ایک آدھ ہو اچھی بھی نکل آئے لیکن بیگم! ایک مچھلی سارے تالاب کو گندا کرتی ہے۔ کوئی ایک بھی تاؤ جی کی چھوٹی بہوؤں جیسی نکل آئی تو پرخچے اڑ جائیں گے۔"

"لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ہم اپنے بچوں کے گھر بسانے کا ارادہ ہی ترک کر دیں۔ اچھا ہی ہے کہ ہم دیکھ بھال کے خود ان کی دلہنیں لے آئیں بجائے اس کے کہ وہ باغی ہو کر خود کوئی قدم اٹھالیں۔"

"ٹانگیں نہ توڑ کے رکھ دوں نامرادوں کی۔ ایسی کی تیسی ان کے قدموں کی۔" وہ تلملا کے بولے۔

"اوہو خواجہ جی! آپ سمجھتے کیوں نہیں کہ وہ جیتے جاگتے انسان ہیں۔ کوئی پیڑ پودے نہیں جو قد آور اور سایہ دار ہونے کے بعد بھی آپ کے پانی لگانے کے محتاج رہیں گے۔"

"چلو تمہیں بھی کچھ نہیں سوجھا تو بے جی کی طرح

پیڑوں اور درختوں کی مثالیں دینے لگیں۔'' انہیں چند سال پہلے مرحومہ بے جی کے ساتھ اسی مسئلے پہ کی گئی بحث یاد آئی اور ساتھ ہی اچانک وہ مشورہ جسے انہوں نے سرسری سا سن کر سر جھٹک دیا تھا۔ ان کے ذہن میں جھماکا ہوا۔

''چلو ٹھیک ہے۔ زندگی میں پہلی اور آخری بار میں اپنے کیے گئے کسی فیصلے سے دستبرداری اختیار کر رہا ہوں۔ تمہاری بات مان لیتے ہیں۔''

''سچ؟ واقعی خواجہ جی؟'' شفیقہ کو اتنی جلد ان کے مان جانے کی امید نہ تھی۔ ''ہاں۔ لیکن میری ایک شرط ہے اور میں پہلے ہی واضح کر دوں اب مجھ سے بحث کرنے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں۔ ان کی شادیاں ہوں گی مگر ایک ہی گھر میں۔'' انہوں نے سختی سے کہا۔

''ہیں جی؟'' وہ اس نئے فتوے پر حیران پریشان تھیں۔

''ہاں! ان پانچوں کی بیویاں سگی بہنیں ہوں گی ورنہ میری طرف سے بھلے ساری عمر کنوارے پھریں۔'' انہوں نے نہ صرف فیصلہ صادر کر دیا بلکہ ہر ملنے جلنے والے کے ذریعے زمانے بھر میں نشر بھی کرا دیا۔ لوگوں کے لیے یہ بات نئی بھی تھی اور دلچسپ بھی۔ ہر چند کہ ابھی کوئی بیٹا شادی کے لائق نہ ہوا تھا لیکن قریبی رشتے دار یعنی لڑکوں کی خالائیں، ممانیاں، چچیاں وغیرہ ارد گرد نظر رکھنے لگیں کہ کہیں کوئی پانچ بہنوں والا مناسب گھرانہ ملے تو شفیقہ خاتون سے ذکر کیا جائے۔ یہ تلاش جاری رہی تاوقتیکہ خواجہ صاحب کے بڑے صاحبزادے فرقان بی اے کرنے کے بعد اپنے والد کے ساتھ شریک کاروبار ہو گئے۔ ایسے میں ایک دن خواجہ خلیق کے چھوٹے چچا ان سے ملنے آئے اور چند ادھر ادھر کی باتوں کے بعد فرقان کے رشتے کی بات چھیڑ دی۔

''ایک منٹ۔۔۔ ایک منٹ چچا! آپ شاید بھول رہے ہیں، میں نے اپنے بیٹوں کی شادی کے سلسلے میں کیا فیصلہ کر رکھا ہے۔'' انہوں نے چچا رفیق کو مزید کچھ کہنے سے پہلے ہی ٹوک دیا۔ وہ برا سا منہ بنا کر کہنے لگے۔

''جانتا ہوں، میاں! جانتا ہوں اچھی طرح، جو تم نے برسوں سے زمانے بھر میں ڈھنڈورا پیٹ رکھا ہے۔ تمہاری یہ بات ذہن میں تھی جب ہی تو اس گھرانے اور اس کی بچیوں کو دیکھتے ہی مجھے تمہارا خیال آیا۔ ان لوگوں کو اچھی طرح جانچ پرکھ لینے کے بعد ہی میں تم سے بات کرنے آیا ہوں ورنہ ایسے گھرانوں کی کوئی کمی تو نہیں جہاں پانچ چھوڑ آٹھ آٹھ لڑکیاں ہوتی ہیں لیکن شادی بیاہ میں اور بھی سو معاملے ہوتے ہیں، سارا حساب کتاب، حسب نسب، شرافت، چلن دیکھنے پڑتے ہیں۔ میں ہر طرح سے مطمئن ہو کر ہی تمہارے پاس آیا ہوں۔''

''یہ تو آپ کی محبت اور عنایت ہے چچا جان! آج کل کون کسی کے لیے اتنی بھاگ دوڑ اور تردد کرتا ہے لیکن آپ نے وقت سے بہت پہلے ہی یہ ذکر چھیڑ دیا۔''

''وقت سے پہلے؟'' چچا حیرت سے بولے۔ ''ارے میاں فرقان چھبیس کا ہونے کو آیا ہے، بڑی مناسب عمر ہے بیاہ کی اور پھر وہ نہ صرف تعلیم مکمل کر چکا ہے بلکہ اب تو تمہارے ساتھ کام میں بھی ہاتھ بٹا رہا ہے۔ بیٹے اپنے پیروں پہ کھڑے ہو جائیں تو انہیں گھر بار کا کر دینا چاہیے ورنہ قدم غلط راہوں کی طرف بھی لے جا سکتے ہیں۔''

''آپ کی بات درست چچا جان لیکن۔۔۔'' وہ متردد ہوئے۔ ''لیکن فرقان اور لقمان ہی شادی کے قابل ہوئے ہیں۔ عمران، جبران کی تو کالج کی تعلیم بھی مکمل نہیں ہوئی اور مہران تو خیر ابھی بہت ہی کم سن ہے۔''

''خدا تمہیں عقل دے خلیق۔۔۔ جوان بچوں کے باپ ہو اور ہر بات تفصیل سے سمجھانی پڑتی ہے۔'' چچا نے بھتیجے کی عقل پہ ماتم کرتے ہوئے افسوس سے سر ہلایا۔

''پانچوں بیٹوں کا رشتہ ایک ہی گھر میں کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ تم اکٹھے ہی سب کے سروں پہ سہرا باندھو۔ ارے جاؤ تو سہی ایک بار، بچیاں دیکھو، گھر بار

دیکھو۔ پسند آئے تو دو بیٹوں کی شادی ٹھہرانے کے ساتھ ساتھ باقی بچیاں بھی مانگ لو۔ اگر مہران کے جوان ہونے کا انتظار کیا تو فرقان کو بابا بنا دو گے۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔ کمال ہے بچا! اتنی سی بات میں نہیں بابا۔" وہ ایک دم سے ہلکے پھلکے ہو کر چچا رفیق کے ساتھ وہاں جانے کا پروگرام بنانے لگے۔

آناً "فاناً" تمام معاملات نمٹ گئے۔ خواجہ خلیق اور شفیقہ خاتون دونوں کو شیخ نواز حسین کا گھرانہ بے حد پسند آیا۔ شریف النفس، حلیم الطبع، درمیانی حیثیت کے نمازی پرہیزگار انسان تھے۔ محدود سی آمدنی میں چھ چھ بچیاں پال رہے تھے۔ جی ہاں چھ۔ چھٹی صاحبزادی چونکہ نہایت کم عمر تھیں اس لیے بچا جان نے ان کا ذکر کرنا ضروری نہ جانا تھا' بہرحال جہاں خواجہ صاحب اور ان کی بیگم کو حسب پسند اور حسب منشا گھرانہ مل جانے کی تسلی ہوئی وہاں دونوں نے خدا کے حضور شکرانہ بھی ادا کیا کہ وہ انہیں ایک مجبور اور شریف کا بوجھ بانٹنے کی نیکی حاصل کرنے کی سعادت بخش رہا ہے۔ شفیقہ خاتون کو بس ایک بات کھٹک رہی تھی اور وہ تھی سب سے بڑی بیٹی مہ لقا کی عمر اور شکل وصورت۔ وہ تمام بہنوں سے ذرا کم رو تھی۔ عمر بھی فرقان کے مقابلے میں زیادہ تھی اور یہ بات اس کے بالوں میں چمکتے تاروں اور آنکھوں کے نیچے پڑی جھریوں سے صاف واضح ہوتی تھی۔ رنگ بھی دبتا ہوا تھا' نین نقش اچھے تھے مگر بڑھتی عمر کے اثرات نے ان کی دلکشی کم کر دی تھی۔ اس بات کا ذکر شوہر سے کیا تو لمحہ بھر سوچنے کے بعد انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"کہتی تم ٹھیک ہو لیکن اس ایک بات کے پیچھے میں باقی سب نظر انداز نہیں کر سکتا۔ چلو میں خود کچھ نہیں کہتا۔ تم فیصلہ کرو' بتاؤ مجھے کیا تمہیں شیخ صاحب کی شرافت کے بارے میں کوئی شبہ ہے؟ کیا تمہارے خیال میں آج کے دور میں چھ بیٹیوں کا بوجھ' انہیں عزت سے بیاہنے کی ذمہ داری ایک متوسط طبقے کے شخص کی کمر نہیں جھکا دیتی' اس کی راتوں کی نیند نہیں اڑا دیتی؟ کیا تم نے ان سب بچیوں کا سلیقہ' سگھڑاپا' سعادت مندی نوٹ نہیں کی؟ کیا تعلیم کے لحاظ سے بھی بڑی دونوں فرقان اور لقمان کے لیے مناسب نہیں ہیں؟ باقی تینوں بھی ابھی چھوٹی سہی لیکن کتنی باادب اور سلجھی ہوئی بچیاں ہیں؟ بولو؟" وہ تائید میں سر ہلا کے رہ گئیں۔

"تو بس بیگم بسم اللہ کر کے ہاں کہہ دیتے ہیں۔" وہ رشتہ کرنے پہ تلے بیٹھے تھے اور وہی ہوا جو وہ چاہتے تھے۔ فرقان اور لقمان کی شادیاں چند ماہ کے اندر اندر مہ لقا اور مہ پارہ سے ہو گئیں۔ ولیمہ کی تقریب میں عمران اور جبران کی مہ ناز اور مہ جبیں سے نسبت کا باقاعدہ اعلان بھی کر دیا گیا۔

خواجہ صاحب تو مہران اور ماہ نور کی منگنی کا اعلان بھی کرنا چاہتے تھے لیکن شیخ صاحب نے اپنی بیٹی اور خود مہران کی کم عمری کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ اہتمام مناسب نہ جانا اور فی الوقت اس سلسلے کو ٹال دیا۔

♥ ♡ ♡

تقریباً پانچ سال بعد ان دونوں کی باری آئی تو مہران ایم بی اے کر رہا تھا اور ماہ نور نے ابھی ایف ایس سی کا ایگزام دیا تھا۔ وہی روایت نبھائی گئی پھرے دینے کی تقریب میں شفیقہ خاتون نے گلابی پشواز میں بیر بہوٹی بنی نازک سی نور کو اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کے نام کی انگوٹھی پہنا دی۔ مہران کو بھی والدین کا یہ انتخاب پسند آیا۔

نور میں اپنی تمام بہنوں کی مشابہت تھی۔ بڑی باجی جیسا سرو قد۔۔۔۔ بجیا جیسے لمبے گھنے بال۔۔۔۔ اپیا جیسا گورا رنگ۔۔۔۔ اور آپی جیسی میٹھی طبیعت۔۔۔۔ ان تمام خصوصیات نے اسے سب میں ممتاز بنا دیا تھا۔ خاندان میں بھی یہی چرچا تھا کہ پانچوں بھائیوں میں مہران کا جوڑ ہی ٹھیک بیٹھا ہے۔ یہ چہ میگوئیاں سن کر بے چارے فرقان کے دل پہ بڑی بری گزرتی۔ وہ مہ لقا کو دیکھ دیکھ کر ٹھنڈی آہیں بھرتا جو ابا جان کی خواہش پوری کرنے کے چکر میں اس کے سر تھوپی گئی تھی' یوں تو وہ فرقان سے سال ڈیڑھ ہی بڑی تھی لیکن شادی کے موقع پہ بھی کم از کم پانچ سال بڑی معلوم ہو رہی تھی اور

اب شادی کے چند سال گزرنے اور تین بچوں کے ہو جانے کے بعد وہ کہیں زیادہ بڑی اور عمر رسیدہ معلوم ہوتی تھی۔

ایک تو اس کا قد شوہر کے مقابلے میں چند انچ اونچا تھا۔ اوپر سے چوڑے چوڑے مردانہ شانے اور کھردرے بے ڈھنگے ہاتھ پیر' نقش مناسب ہی تھے۔

کچھ توجہ خود پہ دیتی تو پہن اوڑھ کے اچھی ہی لگتی لیکن اسے اتنی فکر ہی کہاں تھی۔ میکے میں بھی بڑی بہن ہونے کے زعم میں خود پہ غیر ضروری رعب دبدبہ طاری کر رکھا تھا اور سسرال آنے کے بعد سب سے بڑی بہو کا رتبہ ملا تو گردن میں مزید کلف آگیا' لہجہ اور کڑک دار اور تیور مزید حاکمانہ ہو گئے۔ کوئی اور دیورانیاں ہوتیں تو چند دن بھی بڑی جیٹھانی کی حکمرانی برداشت کرتیں نہ روک ٹوک سہتیں لیکن وہ تینوں بچپن سے عادی تھیں' بڑی باجی کی ڈانٹ ڈپٹ کی۔ اس لیے معمول کا حصہ سمجھ کے ٹال جاتیں۔ البتہ خواجہ صاحب اپنی بڑی بہو کے نظم و نسق سے بڑے مطمئن تھے اور اس کا اظہار بھی برملا کرتے کہ گھر کو سنبھالے رکھنے اور اس عمدہ طریقے سے چلائے رکھنے میں مہ لقا کا سب سے زیادہ ہاتھ ہے۔

ایک لحاظ سے یہ سچ تھا۔ گھر کا بجٹ وہی بناتی تھیں۔ سب بھائیوں کی آمدن کے لحاظ سے حصہ لیا جاتا۔ کوئی کم دیتا تھا تو کوئی زیادہ لیکن سہولیات سب کے لیے یکساں تھیں۔ لقمان کے دونوں بار دو دو جڑواں بچے ہوئے اور اب حال ہی میں ایک بیٹی۔ اس طرح اس کے اخراجات زیادہ تھے۔ بڑے دونوں تو اسکول جانے لگے تھے لیکن آمدنی اس کی فرقان اور عمران دونوں سے کم تھی۔ تین وقت کے کھانے کے علاوہ پھل' دودھ وغیرہ میں مہ لقا اس کا حصہ زیادہ رکھتیں۔ اسی طرح تمام بہوؤں کو ایک خاص حد تک ذاتی شاپنگ کی اجازت تھی' چاہے ان کے پاس ہزاروں روپے بھی کیوں نہ موجود ہوں۔ ان کڑے اصولوں نے گھر میں کبھی کسی قسم کی چپقلش پیدا ہونے دی نہ ہی حسد و رقابت کی فضا پیدا ہو سکی۔

ساس سسر اس کا سہرا اپنی بڑی بہو کے سر باندھتے تھے لیکن فرقان کو اس میں بیوی کی حیثیت سے کوئی خوبی نہ نظر آتی۔ اس کے حکمیہ لہجے سے وہ چڑتا تھا' اس کی ہمہ وقت چڑھی بھنوئیں اسے زہر لگتی تھیں اور اس کا چوبیس گھنٹے گھر اور گھرداری کی فکر میں ہلکان رہنا اسے سخت برا لگتا۔ دونوں میاں بیوی کے درمیان موجود اس سرد مہری اور گریز کو سب محسوس کرتے تھے لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔

لقمان اور مہ پارہ بھی ہم عمر ہی تھے لیکن اپنی بڑی بہن کی طرح مہ پارہ بھی عمر سے چند سال بڑی ہی نظر آتی تھی' غصہ اس کی بھی ناک پہ ہی دھرا رہتا تھا لیکن مہ لقا کی طرح اس میں گھرداری کا رجحان کم تھا' اس کی دلچسپی دیگر امور کی طرف زیادہ تھی۔ اس نے بی۔ایڈ کر رکھا تھا لیکن جاب کرنے کے بجائے گھر میں ایک ٹیوشن سینٹر کھول رکھا تھا کہ بقول اس کے سرکاری نوکری میں سر کھپائی زیادہ ہے اور معاوضہ کم جبکہ ٹیوشن سینٹر کے ذریعے زیادہ سے زیادہ پیسے بٹورے جا سکتے ہیں۔ اس سے اس کی فطرت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ ہر معاملے میں پیسے کو اولیت دینے والی تھی لیکن پیسہ حاصل کرنے کے لیے عقل' ہنر اور محنت کے ساتھ ساتھ لگن کا ہونا بھی ضروری ہے۔ یہ بات اسے کوئی سمجھا نہیں سکتا تھا' حتیٰ کہ بڑی باجی بھی نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ شام کو محلے کے چند ایک بچوں کے علاوہ کوئی اس سے پڑھنے نہ آتا تھا۔ اس کے اپنے پانچ بچوں نے ہی اس کی مت مار رکھی تھی۔ اپنے اسٹوڈنٹس پہ توجہ دینے کا وقت کہاں سے ملتا حالانکہ گھر میں اتنے لوگ ہونے کی وجہ سے اس پر کام کا دباؤ کم تھا بلکہ یوں کہنا چاہیے' بڑی باجی نے ہر بار جڑواں بچوں کی وجہ سے رعایت دیتے ہوئے کم سے کم ذمہ داری اس پر لگا رکھی تھی لیکن اس کے بعد بھی وہ اکثر ساری رات بچوں کی وجہ سے جاگنے کا بہانہ کر کے دن بھر کمرہ بند کر کے سوئی رہتی اور بچے وہ سنبھالتیں جو ان کی چچیاں بھی تھیں اور خالائیں بھی۔

مہ پارہ کی شادی کے چوتھے سال جب آمنہ اور

آئینہ کے بعد رضی اور وصی ہوئے تو دونوں چھوٹی بہنیں بیاہ کے آ گئیں۔ نئی نویلی دلہنیں سارا دن ریں ریں کرتے بچے ہی اٹھائے پھرتیں۔ بڑی دونوں اپنی تائی سے مانوس تھیں۔ وہ ان کے کمرے میں ہی گھسی رہتیں یوں بھی ندا اور نادر ان کے ہم عمر تھے اور کلاس فیلو بھی، چاروں بچوں کی آپس میں خوب بنتی۔

عمران اور جبران کی شادی ہوئی تو دونوں کی عمریں بالترتیب ستائیں اور چوبیس سال تھیں۔ عمران ڈاکٹر تھا اور شادی میں یہ تاخیر اس کی تعلیم کی طوالت ہی کی وجہ سے ہوئی ورنہ خواجہ صاحب تو دونوں بڑے بیٹوں کی شادی کے دوسرے سال ہی دو اور بہو میں لانے کے لیے مچلنے لگے تھے۔ مہ جبیں خود بھی بی۔ ایس۔ سی کر چکی تھی اور ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں میڈیکل ریپ کی جاب کر رہی تھی۔ عمران کی خواہش پہ اس نے اپنی جاب جاری رکھی اور یہ دونوں میاں بیوی کے لیے اچھا ہی تھا کیونکہ شادی کو تین سال گزر جانے کے بعد بھی ان کی کوئی اولاد نہ تھی۔ عمران گورنمنٹ جاب کے علاوہ شام کو اپنے کلینک میں بھی پریکٹس کرتا تھا۔ جتنا گھر پہ کم ہی وقت گزارتا۔ ایسے میں اگر مہ جبیں کی یہ جاب بھی نہ ہوتی تو اسے میاں کا انتظار بھی کھلتا اور بچوں کا نہ ہونا بھی رنجیدہ کرتا لیکن یہ مصروفیات اسے اتنا تھکا دیتیں کہ گھر آنے کے بعد اپنے ضروری کام نمٹانے اور آرام کرنے کے علاوہ کوئی دوسری بات اس کے ذہن میں نہ ہوتی۔

مہ جبیں عمران سے دو سال چھوٹی تھی لیکن جبران اور مہ ناز دونوں ہم عمر تھے۔ لقمان اور مہ پارہ کی طرح ان میں عمر کا یکساں ہونا ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ ایک تو جبران ماشاءاللہ لمبا چوڑا بت تھا، دوسرے اس کے بال نوجوانی میں ہی گرنے لگے تھے۔ دونوں طرف سے نظر آنے والے چوڑے ماتھے نے اسے ذرا بڑی عمر کا ظاہر کرنا شروع کر دیا تھا۔ اوپر سے مہ ناز چھوٹی موٹی سی بوٹا سا قد رکھنے والی لڑکی تھی۔ رنگ اس کا سانولا اور نقش بھی عام تھے لیکن چہرے پہ غضب کی معصومیت اور نرمی تھی، یہی نرمی اس کے لہجے میں بھی تھی اور عادتوں میں بھی۔ اگر گھر کا ماحول پرسکون بنائے رکھنے میں بڑی بہو کا زیادہ ہاتھ تھا تو چھوٹی بہو نے بھی آ کر گھر کے ماحول کو مثالی بنانے میں خاصا اہم کردار ادا کیا تھا ایک کے مزاج کی سختی سب کو درست رکھتی تو دوسری کے مزاج کی نرمی سب کو شانت رکھتی۔

اب سب کی توجہ کا مرکز ماہ نور تھی۔ مہران کو بھی اپنی منگیتر سے دلچسپی ہو چلی تھی جو کہ ایک فطری سی بات تھی حالانکہ وہ کب سے جانتا تھا کہ بڑے بھائیوں کی طرح اس کا نصیب بھی شیخ صاحب کے گھرانے سے وابستہ ہے اور ماہ نور بھی بہنوں سے ملنے آتی جاتی رہتی تھی۔ اس وقت مہران کے دل میں ایسا کوئی شریر سا جذبہ کبھی نہیں جاگا تھا دونوں کے درمیان سرسری سی ہائے ہیلو ہوتی، البتہ سب سے چھوٹی ماہ گل سے اس کی خوب بے تکلفی تھی۔ وہ تھی بھی تو اتنی پیاری اور گپلو سی۔ وہ اکثر اسے انکل کی بڑھاپے کی اولاد کہہ کر چھیڑتا اور بڑی بھابھی سے جواباً "ڈانٹ" بھی سنتا جن کی بڑی بیٹی ندا اپنی سب سے چھوٹی خالہ سے بس ڈھائی تین سال ہی چھوٹی تھی۔ خالہ صاحبہ کا اپنے بھانجے بھانجیوں کے ساتھ خوب جھگڑا ہوتا، بات ہاتھا پائی تک آ جاتی۔ مہران بڑی مشکل سے اسے چھڑاتا، ندا اور نوید آئینہ، آمنہ کو لے کر خالہ کو منہ چڑاتے اپنے کمرے میں گھس جاتے اسے اپنے ساتھ نہ کھلانے کا اعلان کرتے ہوئے اور مہران اس کے پھولے پھولے گالوں پہ بہتے آنسو نہ دیکھ سکتا۔ جھٹ اسے موٹر سائیکل پہ بٹھا کے آئس کریم کھلانے لے جاتا۔ واپسی پہ چڑانے کی باری ماہ گل کی ہوتی۔

"دیکھا تمہارے چاچو تمہیں نہیں لے کر گئے، وہ تو میرے فرینڈ ہیں....."

اور اب منگنی کے بعد اچانک ہی مہران کی دلچسپی اس گھر سے اور بڑھ گئی۔ اس نے ماہ گل سے اپنی دوستی کو استعمال کیا اور آئے دن چاکلیٹ، کہانیوں کی کتابیں لے کر وہاں جانے لگا۔ ماہ نور اگرچہ اس کے سامنے کم ہی آتی لیکن پل دو پل کا سامنا بھی دونوں کو خوشگوار سا احساس دے جاتا اور منگنی کے تیسرے مہینے ہی جب ماہ

نور کے ٹائیفائیڈ میں مبتلا ہونے کی اطلاع ملی تو وہ فوراً امی جان کے ساتھ اپنی ہونے والی سسرال جا پہنچا۔ ہزار کوششوں کے بعد بھی وہ اس کی ایک جھلک تک نہ دیکھ سکا۔

وہاں سے لوٹنے کے تیسرے روز عمران بھائی نے اطلاع دی کہ وہ ماہ نور کو اپنے ہاسپٹل ایڈمٹ کرا آئے ہیں۔ شیخ صاحب اور ان کی اہلیہ نے بیٹی کے ایک روز کے بخار کو اہم نہ جانتے ہوئے خود ہی علاج معالجہ کی طرف خاص توجہ نہ دی تھی۔ پیراسٹامول وغیرہ دیتے رہے اور ان کی سادگی یا لاپروائی نے یہ دن دکھایا کہ نہ صرف ٹائیفائیڈ بگڑ گیا بلکہ یرقان نے بھی جکڑ لیا۔

عمران بھائی اپنی غفلت کو کوس رہے تھے اور ساتھ ساتھ مہ جبیں پہ بھی بگڑ رہے تھے کہ انہوں نے بھی اتنی سمجھ بوجھ اور قابلیت رکھنے کے باوجود کسی کو کسی اسپیشلسٹ ڈاکٹر کو دکھانے کی ضرورت کیوں نہ سمجھی۔ کم از کم انہیں ہی بتا دیتے تو یہ نوبت نہ آتی۔ ان کا تردد اور فکر سب کو پریشان کر گئی کہ ہو نہ ہو ضرور کوئی خطرناک بات ہے اور اگلے دن جب خالد صاحب کے ساتھ ساتھ باقی تمام اہل خانہ بھی ماہ نور کی عیادت کے لیے ہاسپٹل گئے تو واپسی پہ سب کے چہروں پہ ایک ہی تاثر تھا۔ بھابیاں تو چپکے چپکے رو بھی رہی تھیں۔

مہران سے رہا نہ گیا۔ وہ صبح ہی مہ ناز بھابھی کے ساتھ ہاسپٹل گیا۔ ماہ نور کو آئی۔ سی۔ یو میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔ اس کی رنگت خطرناک حد تک پیلی پڑ چکی تھی۔ عمران بھائی کے مطابق اس کا جسم دوا قبول نہیں کر رہا تھا اور بغیر دوا کے وہ یرقان کے زور دار سے کتنی دیر تک لڑ سکتی تھی اور وہی ہوا جس کا خدشہ سب کے دلوں میں کنڈلی مارے بیٹھا تھا لیکن کوئی بھی بدشگونی کے ڈر سے ایک دوسرے سے اس کا اظہار کرنے کی ہمت نہ کر پا رہا تھا۔ اسی شام ماہ نور کی وفات کی خبر آ گئی۔



پچھلے آدھ گھنٹے سے وہ گرم ترین برآمدے میں بیٹھا راحت کی دہائیاں سن رہا تھا۔ گرمی اور لو نے پسینے چھڑا رکھے تھے تو اس کے مسلسل اندر چلنے کے اصرار نے مہران کے چھکے چھڑا رکھے تھے۔

"یار! تو سمجھتا کیوں نہیں۔ مجھے زکام ہے۔ اندر اے۔ سی میں میں نہیں بیٹھ سکتا۔" اس نے بہانا بنایا۔

"گرمی کے زکام میں اے۔ سی کچھ نہیں کہتا بلکہ یہ لو اور طبیعت خراب کرے گی۔" راحت نے ماتھے سے بہتے پسینے کو رومال سے خشک کرنا چاہا لیکن وہ پہلے ہی اس قدر تر ہو رہا تھا کہ چہرہ اور چپچپا ہو گیا۔

"میرا زکام ہے، مجھے زیادہ پتا ہے کس چیز سے خراب ہوتا ہے اور کس چیز سے ٹھیک۔" اس نے بڑے مدبرانہ انداز میں کہا تو وہ مشکوک سا ہو کے اسے بغور دیکھنے لگا۔

"کہیں سے آثار نظر تو نہیں آ رہے نزلہ زکام کے۔" وہ جھٹ برا مان گیا۔

"میں نے کہا ناں۔ میرا زکام ہے مجھے ہی پتا ہے۔ ویسے بھی میں اپنی تکلیفوں کا اشتہار نہیں لگواتا۔۔۔ جیسے غم اور دکھ دل کے اندر ہی اندر پی جاتا ہوں ویسے بیماریاں بھی چھپا کر رکھتا ہوں۔" مہران نے چہرے پہ دیوداس کے سے تاثرات سجاتے ہوئے کہا تو راحت جل کر رہ گیا۔

"ہاں ہاں۔ پتا ہے۔۔۔۔ مجھ سے زیادہ اور کون جانتا ہو گا یہ "اصل حقیقت" کہ تم ہر دکھ اور غم دل کے اندر چھپا کے رکھتے ہو۔۔۔ ہونہہ۔۔۔ بچپن سے جانتا ہوں تمہیں کانٹا بھی چبھے تو چیخ چیخ کر سارا زمانہ سر پہ اٹھا لیتے ہو۔ ذرا ذرا سی بات پہ تمہارے دکھڑے ڈھائی ڈھائی گھنٹے تک میں ہی سنتا رہا ہوں۔"

"ابے موٹی کھال، کیوں اپنے ساتھ ساتھ مجھے بھی گردن توڑ بخار میں مبتلا کرتا ہے۔ اٹھ اندر چل، اے سی آن نہیں کرتے۔ صرف پنکھا چلاؤں گا۔"

"وہ تو یہاں بھی چل رہا ہے۔" اس نے برآمدے کی چھت پر لگے باوا آدم کے زمانے کے پنکھے کی طرف اشارہ کیا جو بغیر سائلنسر کے موٹر سائیکل کی آوازیں نکالتا ہوا دمے کے پرانے مریض کی طرح تھکی تھکی سی پھونکیں مار رہا تھا۔

"ارے یہ تو جہنم کی آگ پھینک رہا ہے۔ اندر چل میرے یار' کمرا ٹھنڈا بھی ہے' پرسکون بھی' آرام سے بیٹھ کر کوئی مووی دیکھیں گے۔"

"یار! اس کھلی فضا میں۔۔۔" وہ شاید موسم کی شان میں کچھ اور قصیدہ پڑھتا لیکن راحت کا میٹر تو لفظ "فضا" پہ ہی ڈاؤن ہو گیا۔

"مرو تم اس "پرفضا مقام" کے مزے لوٹتے ہوئے۔ میں باز آیا ایسی مہمان نوازی سے۔ میں تو اندر جا رہا ہوں۔ تمہاری مرضی اپنے گھر جاؤ یا پھر یہیں میرے گھر کے برآمدے میں بیٹھے بیٹھے گیت گاتے رہو۔"

"موسم ہے عاشقانہ۔۔۔۔ موسم ہے عاشقانہ۔"

مہران نے اس کی بات میں گرہ لگاتے ہوئے تان بلند کی' وہ واقعی اندر جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اے دل کہیں سے ان کو
ایسے میں ڈھونڈ لانا
ایسے میں ڈھونڈ لانا"

اندر جانے کے ارادے سے مڑتا راحت ٹھٹکا۔ گانا اس نے اسے چڑانے کے لیے شروع کیا تھا لیکن سوز اور ترنم کچھ اور ہی کہہ رہا تھا۔ اس نے ٹٹولتی نظروں سے اسے دیکھا' اس کی بے قرار نظریں گیٹ پہ جمی تھیں' ٹانگ پہ رکھی ٹانگ اضطرابی کیفیت میں ہل رہی تھی اور مدھم ہوتی آواز کے ساتھ گنگناتا وہ خود مجسم انتظار بنا ہوا تھا۔

"اے دل کہیں سے ان کو۔۔۔۔" اور ساتھ کال بیل کی خوشگوار سی چہکار اس کے لبوں پہ مسکراہٹ لے آئی۔

راحت کی مشکوک اور سوالیہ نظروں کے جواب میں اس نے بے ساختہ پھیلے لب بمشکل سمیٹے اور جگنو کی سی چمکتی آنکھوں میں زمانے بھر کی معصومیت سمیٹتے ہوئے وضاحت کی۔

"تمہاری کال بیل کی آواز مجھے بڑی مدھر لگتی ہے' دل کے تاروں کو چھیڑتی ہوئی' گنگناتی ہوئی۔۔۔۔"

راحت نے افسوس سے سر ہلاتے ہوئے قدم گیٹ کی جانب بڑھائے۔

"تم سے کچھ بعید نہیں میرے بھائی تم کچھ بھی کہہ سکتے ہو۔ تمہیں اگر یہ سڑا ہوا موسم عاشقانہ لگ سکتا ہے تو یہ منحوس چیں چیں بھی مدھر لگ سکتی ہے۔"

گیٹ کھولتے ہی اس کی زبان کو بریک لگ گئی۔ جیسے ساری بات سمجھ میں آ گئی اس نے پیچھے مڑ کر اسے بغور دیکھا۔

کریدتے انداز پہ مہران قدرے سٹپٹایا۔ راحت نے مسکراتے ہوئے اسے بعد میں نمٹنے کا اشارہ دیا اور باہر متوجہ ہوا۔ جہاں گرمی سے گھبرائی ہوئی معطر کھڑی اسے حیران نظروں سے تک رہی تھی جو اس کے سلام کا جواب دینے کے بجائے نجانے کون سے مذاکرات نمٹا رہا تھا۔

"آؤ مٹھو! آؤ۔۔۔۔" اس نے اندر آنے کا راستہ دیتے ہوئے معطر کو اس کے پیار کے نام سے پکارا تو بے ساختہ اس کی گھبرائی نظریں برآمدے کی چیئر پہ بیٹھے مہران کی طرف اٹھ گئیں جو اس کے اس نام کو بھرپور انجوائے کیا کرتا تھا۔ اس وقت بھی اس کے لبوں کی مسکراہٹ "مٹھو' مٹھو" پکار رہی تھی۔

"وہ راحت بھیا! آج میرا پیپر تھا سیکنڈ ٹائم کا' امی نے کہا تھا کہ اگر جلدی فارغ ہو جاؤ تو ماموں کی طرف چلی جانا' دوپہر کو اتنی دور تک ویگن میں سفر مت کرنا۔۔۔ اس لیے میں۔۔۔۔"

"بھئی' جب مرضی آؤ' تمہارے ماموں کا گھر ہے بلکہ چلو اچھا ہے کوئی تو بہانا بنا تمہارے یہاں آنے کا۔" وہ معطر کا نروس ہونا بخوبی نوٹ کر رہا تھا۔ "ویسے بھی میں نے تم سے کب پوچھا۔۔۔۔ میں تو کسی سے بھی نہیں پوچھتا۔" آخری جملہ اس نے مہران کے قریب آ کر آہستہ سے کہا تھا۔ خطرے کی گھنٹی سر پہ بجتے دیکھ کر وہ فی الفور اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم اندر دادو کے کمرے میں چلی جاؤ مٹھو! امی تو گھر پہ نہیں' اگر بھوک لگے تو کھانا وانا خود نکال کر کھا لو۔ مینا تو دوپہر کو اصطبل بیچ کر سوتی ہے۔ اس کے آسرے پہ مت رہنا۔" راحت کی تاکید پہ وہ مسکرائی تو جیسے مہران

کو سچ مچ آدھ گھنٹے کی گرمی اور حبس کی کوفت زائل ہوتی محسوس ہوئی۔

"میں جانتی ہوں راحت بھیا! لیکن مجھے فی الحال بھوک نہیں' ناشتہ دیر سے کر کے گھر سے نکلی تھی۔"

"جاؤ پھر اسکواش بناؤ اور ایک جگ ہم دونوں کے لیے بھی لے آؤ۔" معطر کو ہدایت دیتے ہوئے اس نے جانے کے لیے پر تولتے مہران کی راہ روکی۔

"تم کہاں چل دیے' گیت مکمل نہیں کرو گے؟ یار! سچ مجھے تو پتا ہی نہیں تھا۔ تمہاری آواز میں اتنا سوز اور گداز ہے' واقعی سماں باندھ دیا تم نے۔ واہ۔۔۔ واہ۔۔۔ ایسا حسین موسم' مست نظارے اور تمہاری آواز۔۔۔ ہو جائے پھر موسم ہے عاشقانہ۔" وہ چیئرز گھسیٹ کے اور دھوپ میں لے آیا۔

"کہو تو لان کے عین وسط میں نرم گرم سی گھاس پہ گاؤ تکیے لگوا دوں۔" وہ کان کھجاتے ہوئے مہران کو چڑا رہا تھا۔

"بس کر۔۔۔ بہت اوور ایکٹنگ ہو گئی۔ میں جا رہا ہوں' تمہارا دل چاہے تو گھاس پہ تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھو چاہے جامن کے پیڑ سے ٹیک لگا کر۔۔۔" لیکن اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی راحت نے لپک کر اسے دبوچ لیا۔

"اچھا اب راز کھل گیا تو بھاگنے کی تیاری۔ چل شرافت سے میرے ساتھ اندر۔ اب تو گرمی میں بیٹھنے کا کوئی ارمان بھی نہ رہا ہو گا۔" اس نے زبردستی اسے اپنے کمرے کی طرف گھسیٹا اور مہران نے خود کو اس کی ہر طرح کی جرح کے لیے تیار کر لیا۔

پچھلے پون گھنٹے سے سخت ترین گرمی میں نجانے کس چیز نے اسے ہر بات سے بیگانہ کیا ہوا تھا۔ اب نیم تاریک کمرے میں آ کر اسے یک دم احساس ہوا کہ اندر اور باہر کے موسم میں کتنا فرق تھا۔ تپش سے جھلستے بدن کو ایک دم ہی ٹھنڈک بھرا لمس ملا۔ راحت کا اے۔ سی آن کرنے کے لیے بڑھتا ہاتھ رک گیا۔

"اوہو' کہیں تمہیں چھینکیں نہ آنا شروع ہو جائیں۔"

"ایک بار کہہ چکا ہوں کہ اب اوور ایکٹنگ بند کر دو۔" مہران نے جھلا کر اسے کشن دے مارا۔ وہ پھر بھی ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولتا رہا۔

"یار! تم بھی کمال کی چیز ہو' گرمی نے بھی تمہارے چہرے کی تازگی کا کچھ نہیں بگاڑا بلکہ مجھے تو رونق پہلے سے بڑھ کر نظر آ رہی ہے۔ ہاں بھئی' اب ہر کسی کے نصیب میں کہاں یہ ٹھنڈے جھونکے۔ ہمیں تو ٹھنڈے پانی کا ایک شاور لے کر ہی حواس ٹھکانے لانے ہوں گے۔" وہ تولیہ کاندھے پر رکھتا واش روم میں گھس گیا اور مہران نے تکیے سے کمر ٹکائی لیکن چند ہی سیکنڈ بعد دروازے پہ ہونے والی ہلکی سی دستک نے اسے سنبھل کر بیٹھنے پر مجبور کر دیا۔

لیمن اسکوائش کے جگ کے ساتھ اندر آنے والی معطر ہی تھی۔ عرصے بعد اسے روبرو پا کر مہران کا دل خوشگوار سی تال پہ دھڑک اٹھا۔ کمرے میں اسے تنہا پا کے معطر کے چہرے پہ ذرا سی گھبراہٹ کے آثار پیدا ہوئے۔

"وہ۔۔۔ راحت بھ۔۔۔"

"دفع کرو اسے۔۔۔ تم کچھ دیر یہاں بیٹھو میرے پاس۔" اس نے سامنے رکھی کرسی کی طرف اشارا کیا لیکن وہ مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلانے لگی۔

"ہر بار آپ ہی کی بات نہیں مانی جائے گی۔"

"ایک منٹ۔۔۔ پلیز۔" اسے پلٹتے دیکھ کر مہران نے بے چینی سے پکارا۔

"جی۔۔۔ فرمائیے!" وہیں دروازے کے پاس کھڑے کھڑے اس نے پوچھا۔

"فرمانا کیا خاک ہے۔" اس کا تکلف مہران کو زہر لگ رہا تھا۔ "زحمت نہ ہو تو ایک گلاس اسکوائش پلا دیجیے۔" اب کے اس نے معطر سے بڑھ کے تکلف پیش کیا جسے محسوس کر کے اس کے لبوں پہ پھر سے وہی گدگداتا تبسم ٹھہر گیا جو پہلی بار میں مہران کو لوٹ کر لے گیا تھا۔

وہ ہتھیلیوں میں چہرہ پھنسائے بڑی دلچسپی سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ جب وہ یہاں آئی تھی تو کالج

یونیفارم میں تھی' سفید لباس میں دھوپ کی تمازت سے تمتمایا چہرہ بے حد سرخ لگ رہا تھا۔ اب اس نے ایک ڈھیلا ڈھالا سا لان کا سوٹ پہن رکھا تھا جو غالباً "مینا کا ہو گا۔ اس نے منہ ہاتھ دھونے کے بعد تولیے سے پونچھنے کی ضرورت محسوس نہ کی تھی' ہلکی ہلکی سی نمی کے آثار گالوں پہ نمایاں تھے اور ماتھے کے ذرا اوپر بالوں پہ چند سنہرے قطرے بھی دمک رہے تھے۔

"لیجیے!" گلاس اس کے سامنے ٹیبل پہ رکھ کے وہ پھر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ مہران دوبارہ کوئی بہانا بنا کے اسے کچھ دیر اور روکنا چاہتا تھا لیکن واش روم سے مسلسل آتی بہتے پانی کی آواز ایک دم خاموش ہوئی تو اسے خود پہ ضبط کرنا پڑا۔

بہر حال وہ اپنی بے قراری کی وجہ سے معطر کی ناراضی افورڈ نہیں کر سکتا تھا اور معطر۔۔۔ وہ اس معاملے میں حد سے زیادہ حساس اور محتاط تھی' اسی لیے تو اس کا رابطہ مہران سے صرف ای میلز اور ٹیلی فون کالز تک محدود تھا اور آج کئی ماہ کے بعد صرف اور صرف اس کی ضد اور اصرار کے ہاتھوں تنگ آ کے وہ یہ راہ نکالنے پہ مجبور ہوئی تھی تاکہ مہران کی اسے ایک جھلک دیکھ لینے کی خواہش بھی پوری ہو جائے اور اسے کسی ایسے امتحان سے بھی نہ گزرنا پڑے جس کے نتیجے میں اس کے گھر والوں کا اس کی ذات پہ اعتماد ڈگمگا جائے۔ اس کی شوخ اور قدرے بولڈ شخصیت کے پردے میں پوری آب و تاب کے ساتھ جگمگاتا یہ نسوانی وقار ہی تو مہران کو بھایا تھا۔ اسے آج بھی اپنی اور اس کی پہلی ملاقات یاد تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

بات زیادہ پرانی نہیں تھی بلکہ مہران کو تو جیسے کل کا واقعہ لگتی۔ ایسا ہی ہوتا ہے' دن جب خوشگوار ہو جائیں' پہر جب سبک ہو جائیں اور راتیں خواب بننے میں کٹنے لگیں تو ایسا ہی ہوتا ہے اور ایک وقت وہ بھی تھا جب اسے تمام شب و روز ایک جیسے لگتے تھے۔۔۔ جامد۔۔۔ تھکے ہوئے۔۔۔ طویل۔۔۔ اور اکتائے ہوئے۔

یہ بھی ان ہی مشکل دنوں کا ذکر ہے۔ ماہ نور کی وفات کو چھ ماہ گزر چکے تھے لیکن خواجہ ہاؤس اور اس کے مکینوں پہ ابھی تک روز اول والی سوگواری نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ خود مہران بھی خود کو اس مہیب اداسی سے بچا نہ پایا تھا۔ بلکہ دیکھا جائے تو سب کے دلوں پہ غم اور صدمے نے حملہ ہی اب کیا تھا۔ ماہ نور کی "آناً فاناً" بڑھتی عام سی تکلیف اور پھر ایک آدھ دن میں ہی وفات کی خبر نے پہلے پہل سب کو جس جھٹکے سے دوچار کیا تھا وہ حیرت کا تھا۔

کسی کو یقین ہی نہ آتا تھا کہ ایک ہنستی کھیلتی زندگی سے بھرپور لڑکی جس کی آنکھوں نے ابھی ابھی خوابوں کا ذائقہ چکھا تھا' ہمیشہ کے لیے پلکیں موند چکی ہے۔ جیسے جیسے حیرت کا شکنجہ ڈھیلا پڑتا گیا' دکھ کی گرفت مضبوط ہوتی گئی۔ تمام بھابھیاں تو نڈھال تھیں ہی' بچے بھی اپنی ہوش میں پہلی موت دیکھنے پر سہمے ہوئے تھے۔ غرض یہ کہ گھر کا ماحول بھی اس قدر ماتمی اور سوگوار سا تھا کہ مہران کو سنبھلنے کا کوئی سہارا نہ مل سکا۔

اسی عالم میں اس کا ایم بی اے کا رزلٹ آیا۔ اس کی شاندار کامیابی نے خواجہ ہاؤس کے در و دیوار پہ چھائے جمود پہ پہلی دراڑ ڈالی اور کئی ماہ سے ایک دوسرے کو دلاسا دیتے مکینوں نے خود کو مبارک باد دیتے سنا۔

ان ہی دنوں نشاط باجی کی شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے۔ راحت سے اس کی دوستی نئی نہیں تھی۔ وہ دونوں ہائی اسکول سے ایک ساتھ تھے لڑکپن کی ہلکی پھلکی سی دوستی کالج جا کر یارانے میں بدل گئی۔ راحت اگرچہ لا کام کرنے کے بعد اپنے ابو جی کے ساتھ آفس جانے لگا تھا لیکن دونوں کی دوستی پہلے سے کہیں زیادہ گہری ہو گئی تھی کیونکہ کالج کی دوستی اب گھر تک پہنچ گئی تھی۔ مہران اب اس سے ملنے اس کے گھر جایا کرتا تھا' اس کے مختصر سے گھرانے کا سادہ اور پرخلوص ماحول اسے بے حد بھایا تھا۔

نشاط باجی کی ڈانٹ سننے' چھوٹی مینا کی شکایتیں سننے اور امی جی اور ابو جی کی نصیحتیں سننے میں اسے مزا آنے لگا تھا۔ ماہ نور کے بعد اس کا دل ہر چیز سے ایسے اچاٹ ہو گیا تھا کہ اس نے راحت کے گھر تک جانا ترک

رفتہ نہ ہونے کے برابر کر دیا تھا۔ راحت جانتا تھا کہ اس کے ابی کی طرف سے تمام بیٹوں کے دوستوں کا گھر تک بلاوجہ آنا ممنوع ہے۔ اس نے اس بات کا کبھی برا بھی نہیں مانا تھا لیکن مہران کی پژمردگی اس سے دیکھی نہیں جاتی تھی۔ وہ کھینچ کھانچ کے اسے اپنے ساتھ لے آتا۔ نشاط باجی 'مینا' امی جی سب ہلکی پھلکی گفتگو کے ذریعے اس کا دھیان بٹانے کی کوشش کرتے۔ سب ہی اس گھرانے پہ گزرنے والے سانحے سے واقف تھے اور واقعی چند گھنٹے سب کے ساتھ گزارنے کے بعد وہ خود کو ہلکا پھلکا سا محسوس کرتا لیکن گھر آنے کے بعد وہی افسردگی اور یاسیت کی لہر اسے اپنی لپیٹ میں لے لیتی۔

راحت کے گھر شادی کی تیاریاں زوروں پہ تھیں۔ آج شام میلاد کے بعد ڈھولک رکھنے کا پروگرام تھا۔ راحت اپنی امی جی کے ساتھ اس کے گھر دعوتی کارڈ دینے آیا تھا۔ امی جان اور بھابیوں سے میلاد میں شریک ہونے کے پرزور اصرار کے بعد اس نے مہران کو رات ڈھولک کے لیے پہنچنے کی سختی سے تاکید کی۔ بھابیوں سے تو اس نے مصلحتاً اس رسم میں شامل ہونے کے لیے نہیں کہا تھا مبادا وہ برا محسوس نہ کریں کیونکہ مہران کا کہنا تو یہی تھا کہ ابھی تک وہ خود کو چھوٹی اور چہیتی بہن کے دکھ سے نکال نہیں پائیں۔

"تمہارا دماغ خراب ہے؟ میں اس خالص گھریلو اور زنانہ محفل میں کیا کروں گا؟" مہران نے اس کے اصرار پہ حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

"ڈھولک پہ چمچہ بجاؤ گے اور کیا یار! بیٹھنے کا بہانہ ہے یہ سب اور کیا۔ سب یار دوست مل بیٹھیں گے، گپ شپ لڑے گی، چائے قہوے کا دور چلے گا، بیک گراؤنڈ میں لائیو میوزک الگ سے بج رہا ہو گا۔ بنو تیرے ابا کی اونچی حویلی..... بنو میں اینٹیں چنتا آیا۔" وہ بھانڈوں کی طرح تالیاں پیٹنے لگا تو مہران نے ناگواری سے اسے گھورا۔

"یہی حرکتیں اگر تم نے رات کو بھی کرنی ہیں تو میرے آنے کی امید مت رکھنا۔ مجھے شوق نہیں ہے سڑی قوالیاں سننے کا۔"

"اچھا میری توبہ۔ جواب میں نے چوں کی آواز بھی نکالی اپنے منہ سے لیکن تجھے بھی قسم ہے میری دوستی کی کہ اپنی بہن کی خوشی میں تمام رسموں میں پورے دل کے ساتھ شریک ہونا پڑے گا۔" اس نے بات ہی ایسی کی تھی کہ مہران کو آتے ہی بنی۔

"او تیرے بڑے وے..... تھے تے....."

مسرت نذیر کی آواز میں اس مشہور پنجابی گیت کو وہ کئی بار سن چکا تھا لیکن وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اس میں اتنا ہنسنے والی بات کون سی ہے۔ کافی دیر سے برآمدے میں بیٹھا وہ گیت کے ان بولوں کی تکرار بھی سن رہا تھا اور ساتھ ہی بے ساختہ امڈنے والے قہقہوں کو بھی۔ ہنسی کا طوفان ذرا تھما تو پھر سے ایک لڑکی نے ڈفلی پہ تال مارتے ہوئے آواز بلند کی۔

"وہ متھے تے چمکن ....." ابھی وہ یہاں تک ہی پہنچی تھی کہ پھر سے ہی کھی کھی کھی اور واہ واہ شروع ہو گئی۔ اندر سے نشاط باجی پیر پٹختی نکلیں۔

"منع کر لو ان سب کو راحت ورنہ میں ابو جی کو بتا دوں گی۔" وہ روہانسی ہو رہی تھیں۔ راحت، جس کے اپنے دانت اندر نہیں جا رہے تھے۔ سنجیدہ ہونے کی کوشش کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"باجی! میں سمجھاتا ہوں..... لیکن آپ کیوں چڑ رہی ہیں۔ اب یہ ہنسی مذاق تو چلتا ہی ہے ناں۔" وہ ناراض ناراض سی بہن کو شانے سے تھامتا اندر لے گیا اور جانے کیا کہا کہ کچھ دیر کے لیے ہنسی کا طوفان تھم گیا۔ خود وہ باچھیں چیرتا تھوڑی دیر بعد ہی آگیا۔

"بڑی بدتمیز ہے یہ مینا بھی۔ سارا شوشا اسی نے چھوڑا ہوا ہے۔" پھر مہران کی سوالیہ نظروں کے جواب میں کہنے لگا۔

"یار! دراصل یہ جو منور بھائی جان ہیں، میرے ہونے والے بہنوئی، بالوں کے معاملے میں ذرا ہاتھ تنگ ہے ان کا۔ ماتھے سے کافی آگے جا کر حدود شروع ہوتی ہیں۔ اسی لیے....."

اور مہران کو "متھے تے چمکن بال" پہ لڑکیوں کا

کھلکھلانا سمجھ میں آگیا۔ اس نے بے ساختہ وارد ہوئی مسکراہٹ کو منہ پھیر کر چھپایا۔

"پھر بھی یہ ہے تو بدتمیزی۔ تمہیں سختی سے منع کرکے آنا تھا مینا کو۔ بیچاری نشاط باجی کو کتنا برا لگتا ہو گا۔"

"مینا کوئی اکیلی تو ہے نہیں جو میں اسے ڈپٹ کر چپ کرا دوں۔ مجھے کا جتھا ہے اس کے ساتھ اور سب سے بڑھ کر مٹھو' اس کی موجودگی میں سب ہی لڑکیاں شیر ہوئی بیٹھی ہیں۔"

"اچھا چلو ایسا کرتے ہیں گانے کے بول بدل لیتے ہیں۔" ایک شوخ و شنگ سی آواز نے رائے دی۔

"متھے تے ٹاواں ٹاواں (کہیں کہیں' اکا دکا) بال میرے بنڑے تے۔"

"بس کرو' میں اب تم سب کو مارنے لگوں گی۔" باجی نے دھاڑ کر چپ کرایا۔

"ہم کیا کریں باجی! میلاد میں آپا جی نے ایسی اچھی اچھی باتیں بتائی ہیں' اب جھوٹ بولنے کو دل ہی نہیں کرتا۔" مینا کی منمناتی آواز پہ سب نے تائید کی۔

"ٹھیک ہے۔ اگر تم نے ابھی اور اسی وقت اس متنازعہ گیت کو چھوڑ کر کوئی اور گیت شروع نہ کیا تو میں یہ مقدمہ ابو جی کے پاس لے جاؤں گی۔" اس دھمکی کے ساتھ ہی ڈھولک کی تھاپ گونجی اور کورس بجنا شروع ہو گیا۔

"جیجا جی' جیجا جی
بھولے بھالے جیجا جی۔"

شروع سردی کے دن تھے ابھی خنکی اتنی بڑھی نہیں تھی۔ راحت نے نادر اور شعیب کے ساتھ مل کر نائٹ بسنت منانے کا پروگرام بنا ڈالا۔ مارے جوش کے سب لڑکوں میں کھلبلی مچ گئی۔ مہران کو پتنگ بازی سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ وہ وہیں برآمدے میں مفس سا بنا بیٹھا ساری کارروائی دیکھتا رہا۔ نادر فوراً سے پیشتر اپنی موٹر سائیکل اسٹارٹ کرکے گھر سے پتنگیں اور گڈے لینے چلا گیا تھا۔ شعیب اور یاسر دری' کرسیاں اور ڈیک چھت پر پہنچا رہے تھے۔ مظہر کو سرچ لائٹ کا انتظام کرنے بھیج دیا گیا تھا اور خود راحت اسٹور میں سے پچھلے سال کی بسنت کے بچے کھچے مانجھے' گڈے نکلوا رہا تھا۔ سب کی افراتفری' بھاگم دوڑ اور سب سے بڑھ کر پیچھے کے کمرے سے آتی بے سُری آوازوں اور ڈھولک کی تھپ تھپ نے اسے اتنا بیزار کیا کہ وہ اٹھ کر برآمدے کے دوسری جانب چلا گیا جہاں کچن کی کھڑکی اور بیرونی دروازہ کھلتا تھا۔ برآمدے کے ایک طرف پنجرے میں لو برڈز رکھے تھے۔ اس نے جالی کو ہلکا سا تھپتھپایا مگر ایک بھی پنجرے میں رکھے گئے مٹی کے چھوٹے چھوٹے گھروندوں سے باہر نہ نکلا۔

"ٹیں ٹیں۔" طوطے کی کراری آواز پہ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ گرل کے دروازے پہ لٹکے لکڑی کے خوشنما مختصر سے پنجرے میں لمبی سی سبز اور پیلی دم والا طوطا پھدک کر اسے اپنی جانب متوجہ کر رہا تھا۔ مہران اس کی طرف بڑھ گیا۔

"مٹھو۔ میاں مٹھو' چوری کھاؤ گے' میاں مٹھو۔" وہ آہستہ آواز میں اسے پکارنے لگا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے بچپن لوٹ آیا ہو۔ ایک پُررونق اور بھرے پرے گھر میں قدرے تاریک اور تنہا گوشے میں ایک معصوم سے ذی روح کے ساتھ اٹھکیلیاں کرنا اسے عجیب پُرلطف سا لگا۔

"مٹھو' مٹھو نے کیا کھانا ہے' بسکٹ۔" وہ طوطے کو چمکارتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا بسکٹ توڑ کر پنجرے میں ڈالنے لگا تھا کہ ایک خفگی بھری آواز پہ بری طرح چونک گیا۔

"بدتمیز' شرم تو نہیں آتی اس طرح۔" کچن کی کھڑکی سے کسی لڑکی نے بے حد جارحانہ انداز میں اسے لتاڑنا چاہا لیکن پھر اس کی حواس باختہ سی شکل' ہاتھ میں پکڑے بسکٹ کے ٹکڑے اور سامنے لٹکے طوطے کے پنجرے کو دیکھ کر رک گئی۔ خجالت کے رنگ اس کے نکھرے چہرے پہ صاف نظر آ رہے تھے۔

مہران کافی دیر کچھ نہ سمجھنے کے سے انداز میں ہکا بکا کھڑا رہا پھر دفعتاً لڑکی کے ہاتھ میں پرنس کو کونٹ

کوکیز کا ڈبہ دیکھ کر ساری چوئیشن سمجھ گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ وضاحت کرتا لڑکی خود ہی منظر سے اوجھل ہو گئی۔ کوئی قصور نہ ہونے کے باوجود اسے اپنی پوزیشن بڑی آکورڈ سی لگی۔ بہر حال دوست کا گھر تھا اور خوشی کا موقع۔ نجانے یہ لڑکی راحت کی کون تھی۔ کہیں کوئی غلط فہمی معاملہ بگاڑ نہ دے۔ وہ خائف ہو کر اوپر بسنت کی تیاریوں میں شامل ہونے چل پڑا۔

اگلی شام اتفاقاً راحت کے گھر میں داخل ہوتے ہی اس کا سامنا سب سے پہلے اسی لڑکی سے ہوا۔ پورچ میں رکشہ رکوائے وہ نجانے کن مذاکرات میں گم تھی۔ بے نیازی سے گزر کر اندر جانے ہی والا تھا کہ مینا کی آواز آئی۔

"بھیا! مہران بھیا۔"

وہ رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ آواز رکشہ میں سے آرہی تھی۔ اچانک رکشہ خالی ہونے لگا۔ مینا کے بعد دو اور لڑکیاں بھی اچھل کر باہر نکل پڑیں۔

"مہران بھیا آگئے ہیں مٹھو۔" اور مٹھو نے بے ساختہ چونک کر اسے دیکھا۔ مہران کو بھی اس لفظ سے گزشتہ رات ہونے والا دلچسپ واقعہ یاد آگیا۔ وہ دل ہی دل میں بے حد محظوظ ہوا۔

(اوہ تو اس قدر چڑنے کی وجہ یہ تھی کہ موصوفہ کا اپنا نام مٹھو ہے۔ تب تو واقعی وہ یہی سمجھی ہوگی کہ میں اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر رہا ہوں) اس خیال کے آتے ہی وہ سنبھل سا گیا۔ اگرچہ صورتحال اسی وقت کلیئر ہوگئی تھی پھر بھی اسے اپنا امیج تو صاف رکھنا ہی تھا۔)

"چلیں مہران بھیا! ہم سب کو مارکیٹ لے جائیں۔" وہ پورے استحقاق سے کہتی ہوئی اسے واپس گاڑی کی طرف لے جانے لگی۔

"اور تم اپنا رکشہ بے شک واپس لے جاؤ۔ بڑا آیا..... چار چار سواریاں نہیں بٹھاؤں گا۔" وہ منہ اور آواز بگاڑ کر بولی تو مہران نے سرزنش کی۔

"بری بات مینا! یوں ہر کسی سے نہیں الجھتے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ چاروں لڑکیوں کو مارکیٹ لے گیا' اس الٹی میٹم کے ساتھ کہ ایک گھنٹے کے اندر اندر وہ اپنی ساری شاپنگ کرلیں۔

"کوئی کیسٹ آن کریں ناں بھیا۔" مینا کی فرمائش پہ اس نے آن کردیا ویسے بھی چاروں کی چٹر پٹر سے اس کا دل گھبرا رہا تھا۔ گانے کی آواز میں کم از کم ان کی آوازیں کچھ تو دب جائیں گی۔

ہاتھ سے ہاتھ کیا گیا
دل تیرے ساتھ کیا گیا

شیراڈ کی مختصر سی فضا میں گلوکار کی پرسوز آواز گونجی۔

تو نہیں
تیری چوڑیوں کی کھنک
اب بھی سنتا ہوں دل کی دھڑکن سے
تیرے آنچل کی ست رنگی دھنک
جا نہیں پائی میرے آنگن سے

مینا نے بڑی گہری نظروں سے پہلے اسے اور پھر پیچھے مڑ کر مٹھو' ببلی اور روا کو دیکھا۔ اس کے اس جتانے والے انداز کو مہران نے سرسری سا لیا اس کا سارا دھیان تو ڈیوس روڈ کی پرہنگم ٹریفک کی طرف تھا۔ میوزک کے شور نے ان چاروں کی گفتگو مدھم کردی تھی' اس کے اطمینان کے لیے اتنا ہی کافی تھا' ورنہ اسے دوران ڈرائیونگ میوزک سننے کا کوئی خاص شوق نہ تھا اور وہ بھی اس طرح کی سڑکوں پہ۔

"مہران بھیا! آپ ہنسا بولا کریں' یوں چپ چاپ کب تک؟ میرا مطلب ہے' ایسے تو زندگی نہیں گزرتی۔" اس نے پارکنگ میں کار کھڑی کی تو مینا باہر نکلتے نکلتے رک کر بڑی دل سوزی سے اسے مشورہ دینے لگی۔ اسے ہنسی آگئی لیکن بظاہر سنجیدہ ہو کر اسے ڈپٹا۔

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا۔ چلو اترو اور جلدی سے کام نمٹا کر آؤ۔" اب وہ اسے کیا بتاتا کہ اس انجان لڑکی پہ پہلا پڑنے والا غلط امپریشن اس کی سنجیدگی اور لیے دیے رہنے والے انداز سے ہی زائل ہوسکتا تھا۔

"لیکن میں اس پہ اچھا امپریشن ڈالنا ہی کیوں چاہتا ہوں؟ میری بلا سے وہ جو چاہے سمجھے۔"

دل کی بے تکی احتیاط پہ اس نے خود کو جھڑکا۔ واپسی

پرمینا کے ساتھ ساتھ باقی تینوں لڑکیوں کی غیر معمولی سنجیدگی اور خاموشی پہ وہ کچھ کھٹکا۔ ذرا اگر دن گھما کے پیچھے دیکھ لیتا تو یقیناً "ان سب کی آنکھوں سے جھانکتا زخم اسے مزید الجھا دیتا۔

اگلے دن وہ قصداً "نہ گیا۔ دو دن ہی خوب جی بھر کے بور ہو لیا تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ اب شادی کے دن ہی جائے گا چاہے راحت کتنا ہی اصرار کیوں نہ کرلے۔ رات گئے فون کی بیل نے اس کی محویت توڑی۔ وہ لاؤنج میں بیٹھا رسل کرو کی نئی مووی (A Beautiful Mind) میں کھویا ہوا تھا۔ (یہ پونے ایک بجے کس کا فون ہو سکتا ہے) اسی الجھن میں اس نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے موصول کردہ تعارف نے اسے اپنی جگہ سے اچھلنے پہ مجبور کر دیا۔

"میں ماہ نور بول رہی ہوں۔"

"جی؟" وہ صرف اتنا ہی کہہ پایا۔

"میں ماہ نور بول رہی ہوں مہران۔" اس گنگناتی ہوئی سی آواز میں جیسے شہد گھلا ہوا تھا۔

"کون؟ کس سے بات کرنی ہے آپ کو؟ کوئی ایک ماہ نور تو نہیں زمانے میں۔ اس خیال کے تحت اس نے اپنی حیرت چھپاتے ہوئے پھر پوچھا۔

"ماہ نور اور کس سے بات کرنا چاہے گی؟ ظاہر ہے مہران سے۔ جو اسے اتنی دور سے بلا لایا ہے۔" مہران کے ماتھے پہ شکنیں نمودار ہو گئیں۔ "اگر یہ شرارت ہے تو بڑی ہی گھٹیا...... لیکن یہ کون ہے جو اتنا قریب سے جانتی ہے مجھے۔" یہ سب سوچتے ہوئے اس نے سختی سے سوال کیا۔

"محترمہ! آپ کون ہیں؟ رات کے اس پہر کسی کے گھر فون کر کے بے مقصد گفتگو کر کے کیا ثابت کرنا چاہتی ہیں۔"

"یہی کہ میں ماہ نور ہوں۔ میں لوٹ آئی ہوں۔ کسی کی بے قراری' اداسی اور تڑپ مجھ سے دیکھی نہیں گئی۔ میں نے خدا سے اپنی زندگی دوبارہ مانگی اور لوٹ آئی۔ کیا میرا یقین نہیں کرو گے مہران۔"

"بکواس بند کرو۔ مجھے کیا پاگل سمجھ رکھا ہے۔" اس کی بے تکی باتوں پہ مہران کو اشتعال آ گیا اور وہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کی مخاطب ایک لڑکی ہے اس لہجے میں بات کر بیٹھا۔

"اگر مذاق ہی کرنا ہے تو اس میں کسی مرے ہوئے شخص کو استعمال تو مت کرو۔ کم از کم اتنا احترام تو تمہیں کرنا چاہیے۔" اسے واقعی اس سنگین مذاق سے تکلیف ہوئی تھی۔

"مرے ہوئے شخص کا احترام؟" دوسری طرف سے بڑے اچنبھے کے ساتھ دہرایا گیا۔ "کیا ماہ نور اب اس دنیا میں نہیں؟"

"نہیں' ماہ نور کو گزرے چھ ماہ ہو چکے ہیں اور اب وہ کبھی واپس نہیں آ سکتی۔" اس نے اس مذاق کرنے والی کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"یہی تو آپ کو سمجھانا چاہتی تھی میں مسٹر مہران۔" اس کا لہجہ یکسر تبدیل ہو گیا۔ "کہ میں ماہ نور نہیں ہوں۔ کوئی بھی ماہ نور نہیں ہو سکتی' ہاں کسی اور کا نام ماہ نور ضرور ہو سکتا ہے مگر وہ۔ وہ نہیں ہو گی کیونکہ ماہ نور ایک ہی تھی اور اب نہیں ہے۔ اور نہ ہی کبھی واپس آئے گی۔ اگر آپ اس حقیقت سے باخبر ہیں تو پھر اسے تسلیم کیوں نہیں کر لیتے کہ ماہ نور کو آپ کسی بھی طرح واپس آنے پہ مجبور نہیں کر سکتے۔" فون بند ہو چکا تھا لیکن ریسیور ہاتھ میں لیے وہ کتنی ہی دیر بیٹھا رہا۔

وہ کون تھی' کیا کہنا چاہتی تھی اور کیا کہہ رہی تھی...... سب اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ پہلے تو وہ اسے کسی چھچھورے مزاج رکھنے والی لڑکی کا اوچھا سا مذاق سمجھا تھا لیکن اب اسے بات کچھ اور بھی لگ رہی تھی۔ اس نے اپنا تعارف جس انداز میں کرایا تھا تب غصے اور حیرت کی شدت نے اس کا دماغ تقریباً "ماؤف کر دیا تھا اور اس نے کسی بات کی طرف دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ اب ایک بات تھی جو اسے کھٹک رہی تھی' اندر کہیں ایک الارم بج رہا تھا لیکن وہ پورے وثوق سے کہہ نہیں سکتا تھا کہ جو کچھ وہ محسوس کر رہا ہے ویسا واقعی ہے بھی یا نہیں۔ اگر اس وقت بات

کرتے ہوئے وہ دھیان دے لیتا تو شاید کوئی سرا ہاتھ آجاتا۔ خود سے الجھتا وہ سو ہی گیا۔

اگلی رات اسی وقت ٹھیک ایک بجے اسے پھر فون کی بیل سنائی دی۔ دن بھر جاب کے لیے بھاگ دوڑ میں مصروف وہ رات کا واقعہ تقریباً بھلا چکا تھا، اس لیے نوٹس نہ لیا، تیسری بیل پہ جیسے اس کے ذہن میں جھماکا ہوا، اس نے وال کلاک پہ ٹائم دیکھا اور جلدی سے سلیپر پہنتا کمرے سے نکلا۔

لقمان بھائی جمائیاں لیتے لاؤنج سے نکل کر واپس اپنے کمرے کی طرف جا رہے تھے۔ فون یا تو بند ہو گیا تھا یا پھر کسی نے ان کی آواز سن کر لائن کاٹ دی تھی۔ وہ بیل کی آواز کم کرتے ہوئے نزدیک ہی بیٹھ گیا۔ اس بار اس نے خود کو اپنے اوسان بحال رکھنے کا آرڈر دیا۔ پچھلے فون پہ اس کے لاشعور میں جو ہلکی سی پس منظر کی بازگشت رہ گئی تھی، وہ اس کی تصدیق کرنا چاہتا تھا۔ ہلکی سی بیل ہونے پہ اس نے ریسیور اٹھا لیا اور دم سادھ کر بغیر کچھ بولے سننے لگا۔ دور کہیں سے ڈھولک کی مدھم سی تھاپ سنائی دے رہی تھی وہ چونکنا ہو گیا۔

"ہیلو... کون؟ ماہ نور؟" اس نے جان بوجھ کر یہ کہا تھا۔

"اف... آپ کب سمجھیں گے کہ ماہ نور کو آپ اس طرح جوگ لے کر واپس نہیں لاسکتے۔ آپ اسے یاد رکھیں کسی اچھی بات کی طرح لیکن اس یاد کو ناسور مت بنائیں۔ آپ سمجھتے ہیں کہ اس طرح کی زندگی گزار کر آپ اس کی روح کو کوئی تسکین دے رہے ہیں۔ آپ نہیں جانتے کہ آپ کی یہ حالت دیکھ کر اسے یقیناً تکلیف ہو رہی ہوگی۔" وہ کیا کہہ رہی تھی۔ اسے خبر نہ تھی، ساری توجہ اس جانب تھی کہ وہ کہاں سے بول رہی ہے۔ صاف لگ رہا تھا کہ وہ اس وقت اکیلی نہیں بلکہ اس کے اردگرد اور بھی لڑکیاں جمع ہیں جو اسے مختلف مشوروں سے نواز رہی ہیں۔ ان کی آوازیں مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح اس تک پہنچ رہی تھیں۔

"آپ کی یہ حرکتیں..."

"کیسی حرکتیں؟" اچھی طرح مطمئن ہونے کے بعد مہران نے اب اس کی گفتگو کی طرف دھیان دیا۔

"یہی اداس رہنا، گم صم چپ چاپ بیٹھے رہنا، زندگی سے بیزاری، رونق اور گہما گہمی سے اکتاہٹ، خوشیوں سے ناراضی... ایسے گیت سننا۔" اس کے آخری حوالے پہ وہ بری طرح چونکا۔ اسے یاد آنے لگا کہ اس شام گاڑی میں وہ سیڈ سونگ لگتے ہی مینا کے تاثرات بدل گئے تھے اور مارکیٹ سے واپسی پہ باقی لڑکیوں کا رویہ بھی بدلا بدلا لگ رہا تھا۔

ہو نہ ہو یہ ان چاروں میں سے ایک ہے اور یہ بھی ممکن ہے چاروں کا ٹولہ ہی ہو۔ مینا احمق بھی ہے اور شریر بھی لیکن اس طرح کا مذاق اور وہ... نہیں۔ ہو سکتا ہے، یہ سب اسی کی وجہ سے ہو لیکن یہ مینا نہیں ہو سکتی۔ اس میں اتنی ہمت نہیں کہ وہ اپنے مہران بھیا سے اتنا سنگین مذاق کر سکے۔

"آپ جانتے ہیں کہ آپ کا یہ رویہ آپ کو نارمل زندگی سے دور لے کر جا رہا ہے۔" اس کی خاموشی نے لڑکی کی ہمت مزید بڑھائی۔ "آپ ذہنی مریض بھی بن سکتے ہیں بلکہ بن رہے ہیں۔ بات کرتے کرتے چپ ہو جانا بھی اس کی ایک نشانی ہے اور بے زبان جانوروں اور پرندوں سے اکیلے میں گفتگو کرنا بھی یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ اب انسان سے ناامید ہو چکے ہیں۔ دیکھیے یہ غلط رویہ ہے۔ زندگی کسی ایک فرد کے جانے سے ختم نہیں ہو جاتی اور..." وہ بولتی رہی اور مہران نے ٹھنڈی سانس بھر کے ریسیور کو گھورا۔

جو بات وہ جاننا چاہتا تھا، اس نے بڑبولے پن میں خود ہی اگل دی تھی۔ بچپن سے ابی جان کے پالے ہوئے کتوں، بلیوں، بطخوں، مرغیوں اور طوطوں میں رہ رہ کر اسے ان بے زبانوں سے انسیت سی ہو گئی تھی اور اس رات طوطے سے باتیں کرتے ان چاروں میں سے صرف ایک لڑکی نے ہی اسے دیکھا تھا۔ وہ لڑکی... جو طوطے کی ہم نام تھی اور شاید ہم عادت بھی۔ ابھی بھی ایک تواتر کے ساتھ رٹا رٹایا سبق دہرا رہی تھی۔

"آپ کی ابھی عمر ہی کیا ہے۔"

"وہ پچیس سال۔" سنجیدگی سے ٹوک کر بات کاٹی۔
اس کا سلسلۂ کلام پھر سے جڑا۔

"وہی تو اس عمر میں جوگ لے لینا کوئی اچھی بات ہے؟ آپ کی ذات پہ دوسرے رشتوں کی محبتیں بھی فرض ہیں۔ کسی ایک کے عشق میں دنیا چھوڑ دینا انصاف نہیں۔" وہ نجانے کس غلط فہمی میں مبتلا تھی۔

کیسا عشق؟ کیسا جوگ؟ وہ دل ہی دل میں ہنس پڑا۔ اچانک اسے شرارت سوجھی۔

"میاں مٹھو! چوری کھاؤ گے؟"

دوسری طرف زبان کو اچانک بریک لگ گئی۔ مہران نے اپنا سوال دہرایا تو لمبی سی "ہائے" کے ساتھ فون رکھ دیا گیا۔

اگلے دن وہ بظاہر راحت کے "پُرزور اصرار" پر وہاں گیا تھا۔ حالانکہ رات کو فون بند ہوتے ہی اس نے کل مایوں کی تقریب میں جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اس کی متلاشی نظریں اسی کو ڈھونڈ رہی تھیں لیکن ابھی تک اس کی ایک بھی جھلک وہ دیکھ نہ پایا تھا۔ ایک تو آج باقاعدہ رسم تھی مایوں کی اس لیے لوگ بھی زیادہ تعداد میں تھے۔ دوسرے یہ کہ نشاط باجی کے کمرے کے بجائے لڑکیاں آج ہال میں جمع تھیں۔ وہیں رسم ادا ہوئی تھی۔ اس وقت شاید ادھر رقص و گلوکاری کے مظاہرے ہو رہے تھے۔ اس لیے مردانہ داخلہ ممنوع تھا۔

"یار مہران! یہ ہار اور گجرے ذرا اندر مینا کو پکڑا آ۔"

راحت نے اسے پیلے رنگ کے پھولوں سے بنے درجنوں ہار اور گجرے تھمائے اور خود عجلت میں لان کی طرف لپکا جہاں نشستیں اس کی مرضی کے مطابق سیٹ نہیں کی گئی تھیں۔ وہ پھولوں کا ڈھیر سنبھالتا ہال کی طرف بڑھا۔

بتیاں بجھائی رکھ دی میں بتیاں بجھائی رکھ دی
دیوا بلے ساری رات میریا ہانیا
دیوا بلے ساری رات

کارپٹ پہ گول دائرے کی صورت میں بیٹھی تالیاں بجاتی لڑکیوں کے ہجوم میں وہی تھی جو اس وقت پورے جوش کے ساتھ ڈانس کرنے میں مگن تھی۔ کزنز اور دوستوں کی متواتر بجتی تالیاں اسے اور پُرجوش کر رہی تھیں اور اس کے تھرکتے پیر مزید متحرک ہو کر تال سے تال ملانے لگتے تھے۔ دروازے میں ایستادہ مہران نے بڑی دلچسپی سے اس کی سادہ مگر بے ساختہ حرکات دیکھیں۔ کھلتے ہوئے پیلے رنگ کے قمیص پاجامہ کے ساتھ اس نے چنری کا چنا ہوا پیلا، سبز اور سرخ رنگ کا دوپٹہ لے رکھا تھا۔ دونوں کلائیوں میں بھر بھر کے ہم رنگ کانچ کی چوڑیاں پہن رکھی تھیں۔ ریشمی بال چوٹی میں قید تھے، البتہ چند لٹیں ڈانس کے دوران چہرے پہ گر آئی تھیں۔ ہلکے سے میک اپ کے ساتھ وہ پہلے سے کہیں اچھی اور الگ نظر آ رہی تھی۔

ہجر ویلے توں راہواں تکدی
بار گئی آں شاماں
منتاں کر کر تھک گئی آں میں
سوہنیاں وانگ غلاماں

دونوں ہتھیلیاں جوڑ کر جب اس نے منتیں کرنے کا اشارہ کرتے ہوئے رخ پھیرا تو ایک دم مہران کو محسوس ہوا جیسے اس کا دل بھی انہی ہتھیلیوں کے درمیان پھنس کر رہ گیا ہے۔

اج میری اک من لے توں
اج میری اک من لے توں

فضا میں لہرا کر اٹھتے اس کے مرمریں بازو وہیں بلند رہ گئے۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے سامنے دیکھنے لگی۔ اس کی نظروں کے تعاقب میں اکثر نے پیچھے گردنیں گھمائیں تو خود کو سنبھالتا مہران یوں قدم بڑھانے لگا جیسے وہ ابھی ابھی منظر میں داخل ہوا ہو۔ مٹھو دھپ سے کارپٹ میں بیٹھ چکی تھی۔ گانا ابھی بھی چل رہا تھا اور کئی لڑکیوں کی قل قل بھی شروع ہو چکی تھی۔ مہران نے متانت سے پھولوں سے بھرے تھیلے مینا کی طرف بڑھائے اور اسی سنجیدگی سے باہر نکل گیا۔

اگرچہ رسم رات دیر گئے تک جاری رہی مگر وہ قصداً" ساڑھے بارہ بجے وہاں سے نکل گیا۔ پونے

ایک بجے سے لے کر دو بجے تک لاؤنج میں فون کے نزدیک نیم دراز وہ چینل سرچنگ کرتا رہا لیکن بیل نہ ہوئی۔ (لگتا ہے میاں مٹھو کی ٹیں ٹیں بند ہو گئی، سارے کس بل نکل گئے ایک ہی نظر میں)

"کس کے؟ اس کے یا تمہارے؟" اندر سے سوال گونجا تو وہ مسکرا اٹھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

مہندی والے دن لڑکیاں جن دو کوسٹرز میں سوار ہوئیں ان میں سے ایک کی ڈرائیونگ کا فریضہ اسے سونپا گیا۔ بائل گرین سیمون کے منقش سے لہنگے اور میرون کلر کی ڈبل چولی کے ساتھ ٹائی اینڈ ڈائی..... اور گوٹے سے سجا ہوا سا دوپٹہ اوڑھے سلور جیولری اور میرون شیڈڈ میک اپ کے ساتھ وہ تمام لڑکیوں میں نمایاں تھی۔ حالانکہ آدھ درجن لڑکیوں نے اس وقت اسی طرح کا لہنگا پہن رکھا تھا لیکن اس کی چھب ہی نرالی تھی۔

مہران نے محسوس کیا کہ اسے ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھے دیکھ کر اس کے بڑھتے قدم تھم گئے تھے۔ کچھ تذبذب کے عالم میں کھڑی وہ دوسری کوسٹر دیکھنے لگی جو پہلے ہی اوپر تلے چڑھی لڑکیوں سے بھر چکی تھی۔ اتنی ہی دیر میں دوسری کوسٹر میں بھی تل دھرنے کو جگہ نہ رہی۔ مہران نے اپنے برابر کی سیٹ پہ دھرے مہندی کے تھال کو دیکھا اور پیچھے رواں کی گود میں چڑھی بیٹھی مینا کو آواز دی۔

"مینا! تم آگے آ جاؤ اور اگر کوئی اور بھی رہتی ہے تو اسے بھی لے آؤ۔" اسے بالکل قریب اکیلے بٹھانا خود اسے بھی معیوب لگ رہا تھا اس لیے مینا کا سہارا لیا کہ وہ تو بالکل اس کی چھوٹی بہنوں جیسی تھی۔

"مم..... میں بھیا۔" مینا کترائی کترائی سی پھر رہی تھی۔ جس سے صاف ظاہر تھا کہ مٹھو کی شرارت میں وہ برابر حصہ دار تھی' اسی لیے راز کھل جانے کے بعد اس سے بچتی پھر رہی تھی۔

"اتنی محنت سے سجایا تھال خراب نہ ہو جائے۔" اس نے عذر پیش کیا۔

"گود میں رکھ لینا۔" اس کے قطعی لہجے پہ ناچار وہ نیچے اتری۔ "ارے مٹھو تو باہر کھڑی ہے ابھی تک۔ آجا میرے ساتھ بیٹھ جا۔" اس کا بازو بھی کھینچا۔

اب مہران کے برابر میں صحت مند سی گپلو مینا تھی اور ساتھ پھنسی ہوئی مٹھو اور دونوں کی گود میں رکھا تھال جس پہ مہندی پہ گری افشاں اور کہیں کہیں رکھے سلور پینٹ کیے دیئے سجے ہوئے تھے۔ پیچھے بیٹھی لڑکیوں نے مہندی کے گیتوں کی پریکٹس جاری رکھی تھی لیکن وہ دونوں چپ چاپ سامنے تکے جا رہی تھیں۔ لڑکے والوں کا گھر قریب آنے پر اس نے بریک لگائی۔ گھر سے ذرا پہلے ہی تمام لوگ سواریوں سے اتر کر جمع ہونے لگے۔ وہ دونوں بھی اترنے والی تھیں جب مہران نے کہا۔

"تم دونوں نے جو حرکت کی' مجھے اس کی وضاحت چاہیے' مکمل جواز کے ساتھ' جو کہ میں جانتا ہوں کہ ہرگز نہیں ہو گا تمہارے پاس۔ پھر بھی..... اس حرکت کو نظر انداز کر دینا چاہیے یا نہیں اس کا فیصلہ تمہاری وضاحت سننے کے بعد ہی ہو گا۔"

"وہ..... بھیا..... دراصل....." مینا گڑبڑا کے کچھ کہنے ہی جا رہی تھی کہ مہران نے روک دیا۔

"تم سے تو میں بعد میں تفصیلی بیان لوں گا۔" اس نے خشمگیں نظروں سے گھور کر مینا کو اور ہراساں کیا۔

"ہاں ان مٹھو صاحبہ سے کہہ دو کہ....."

"میرا نام معطر ہے' معطر ہمایوں۔" تڑختے لہجے میں اطلاع دی گئی۔ اس نے لمبا سانس کھینچ کر فضا میں سے کوئی مہکا احساس اندر اتارا۔ جیسے اس کے نام کے ہلکے سے ارتعاش نے ہی ہواؤں کو معطر کر دیا ہو۔

"نام جو بھی ہے' کام تو آپ نے ایسا کیا ہے کہ جواب طلبی ہر حال میں ہو گی۔ کل دن کو دس سے بارہ کے درمیان میں آپ کے فون کا انتظار کروں گا۔"

جواباً اس نے سر ایسے جھٹکا تھا گویا اسے کسی بات کی کوئی پرواہ ہی نہ ہو۔ اس کی فق ہوئی رنگت البتہ کچھ اور کہہ رہی تھی اور وہی ہوا کافی انتظار کرنے کے بعد جب بارہ بجنے میں محض پانچ ہی منٹ رہ گئے تھے اس کا

فون آگیا۔

"پلیز ہم سے غلطی ہو گئی۔ آپ کسی کو بتایئے گا مت۔" چھوٹتے ہی پہلی بات اس نے یہ کی۔ لہجہ انتہائی التجا آمیز تھا۔

"آپ نے فون کرنے کا کہا' میں نے کر لیا حالانکہ یہ میرے لیے انتہائی مشکل مرحلہ تھا پھر بھی میں نے صرف اس لیے کیا تاکہ آپ اب تو اس غلطی کو معاف کر دیں۔"

"آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔ میں آپ کو دھمکا ہرگز نہیں رہا اور نہ ہی آپ کو بلیک میل کرتے ہوئے فون کرنے پہ مجبور کیا ہے۔ میں تو صرف اس سارے قصے کی وجہ جاننا چاہتا ہوں۔ مینا مجھے کافی عرصے سے جانتی ہے۔ مجھے اپنے بھائی کا درجہ بھی دیتی ہے۔ اس کا اور میرا ہلکے پھلکے مذاق کا رشتہ بھی بنتا ہے اگرچہ اس قسم کے بے ہودہ مذاق کا نہیں' پھر بھی..... مگر آپ نے کیا سوچ کر مجھے اپنے مذاق کا نشانہ بنایا' ایک انجان آدمی کو تنگ کرنے کی غرض سے تو آدھی رات کو فون کرتے ہوئے آپ جھجکیں نہ گھبرائیں اور اب یہ کیسے ایک مشکل مرحلہ ہو گیا بتایئے؟"

"پہلی بات تو یہ کہ آپ شدید غلط فہمی کا شکار ہیں۔ آپ کو فون کرنے کے پیچھے نہ تو مینا کی شرارت کا ہاتھ ہے نہ ہی میرا کوئی مذاق کرنے کا ارادہ تھا۔ ہم دونوں نے آپ کو فون کسی غلط مقصد کے تحت نہیں کیا تھا۔ اس وقت میری نیت کچھ اور تھی' میرے دل میں کسی قسم کا غلط خیال نہ تھا۔ اس لیے آپ سے بات کرتے ہوئے جھجکی نہیں اور اب صرف آپ کے مجبور کرنے پہ یہ قدم اٹھایا ہے تو ظاہر ہے غلطی تو فیل ہو رہی ہے۔ تب میں اکیلی نہیں تھی۔ میرے ساتھ مینا تھی' ردا تھی' ہبلی اور فری بھی تھیں۔ ہم چھپ کر کوئی کام نہیں کر رہے تھے اور آج میں اپنے گھر والوں سے چھپ کر آپ کو فون کر رہی ہوں صرف اس ڈر سے کہ آپ ہماری بے ضرر سی حرکت کو غلط رنگ دے رہے ہیں اور کہیں اسی غلط انداز میں سب کے سامنے پیش نہ کر دیں۔ آپ مانیں یا نہ مانیں لیکن آپ کا اسٹائل دھمکانے والا ہی تھا۔" سادہ سے لہجے میں اتنی سچائی تھی کہ مہران کو یقین کرتے ہی بنی۔

"مانا..... لیکن کیا آپ بتانا پسند کریں گی کہ آپ کے اور مینا کے دماغ میں کیا سمایا تھا۔" اصل حقیقت تو وہ اب بھی جاننا چاہتا تھا۔

"اس روز شاپنگ کرتے ہوئے مینا نے آپ کی منگیتر کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ مختصر سی علالت کے بعد بڑی کم عمری میں وفات پا گئی اور یہ بھی کہ چھ ماہ گزرنے کے بعد بھی آپ خود کو اس صدمے سے نکال نہیں پا رہے۔ اس نے بتایا تھا کہ راحت بھیا بھی خاصی کوشش کر رہے ہیں آپ کو زندگی کی طرف دوبارہ لانے کی لیکن آپ ہیں کہ جوگ لیے بیٹھے ہیں۔" خاصی صاف گوئی کے ساتھ اس نے بتایا۔

"اچھا تو جوگی ایسے ہوتے ہیں' ویل ڈریسڈ' کلین شیو۔"

"اب مجھے کیا پتا' مینا نے تو یہی بتایا تھا پھر آپ کا رویہ بھی ایسا ہی تھا۔ دردناک گانے سنے جا رہے تھے۔ دوستوں کی محفل بار بار چھوڑ کر آپ تاریک گوشے تلاشتے پھرتے تھے۔ ہنستے بولتے تو آپ کو میں نے دیکھا ہی نہیں۔ اس لیے یقین کر لیا اور سچی بڑا افسوس بھی ہوا۔ دیکھیں ناں' جانے والے تو چلے جاتے ہیں' بس یادیں رہ جاتی ہیں' ان کو دل میں تو بسایا جا سکتا ہے مگر دل بہلایا تو نہیں جا سکتا۔" اس کی باتیں کھٹ سے مہران کے دل پہ لگی تھیں۔

"واقعی دل یادوں سے کب بہلتا ہے بھلا اور یادیں ہیں بھی کتنی؟" اس نے سوچا۔

"یادوں کے سہارے زندگی نہیں گزرتی۔" وہ بولتی رہی۔

"ماشاءاللہ کس فلم کے ڈائیلاگ ہیں۔" اس کے دل جلا دینے والے ریمارک پہ وہ چڑ گئی۔

"کیا مطلب؟ آپ مذاق اڑا رہے ہیں میرے خلوص کا۔ ہم سب نے تو محض ہمدردی کی نیت سے بڑے خلوص کے ساتھ آپ کا غم ہلکا کرنا چاہا تھا۔ یہی سوچا تھا دو چار فون کالز کے ذریعے آپ کی برین واشنگ

کریں گے، زندگی کی قدر کرنا سکھائیں گے اور زندگی سے محبت کرنا بھی۔"

"ہاں محبت۔۔۔ محبت کرنا تو تم نے سکھا ہی دیا۔"
اس نے دل ہی دل میں سرگوشی کی۔

"بتائیے اب تو آپ کو یقین آ گیا کہ یہ کوئی اوچھا مذاق نہیں تھا۔"

"چلیں مان لیا لیکن آپ کیا سوچ کر مجھے سدھارنے چلی تھیں۔ مینا کا مجھ سے کوئی تعلق بنتا ہے لیکن آپ محض اس بے وقوف لڑکی کی باتوں میں آ کر اتنا بڑا قدم اٹھا بیٹھیں۔ ایک انجان شخص پہ اعتبار کرنا سراسر بے وقوفی ہے۔"

"لیکن میں نے بتایا تو ہے کہ میرا مقصد۔۔۔۔"
مہران نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ضروری نہیں کہ جو جیسا نظر آ رہا ہے ویسا ہی ہو اور یہ بھی ضروری نہیں کہ دوسرے کسی کے بارے میں جو اندازہ لگا کر آپ کو بتائیں وہ درست ہی ہو۔ ماہ نور ایک بہت اچھی لڑکی تھی' بالکل ایسی جسے کوئی بھی شخص اپنی بیوی کے روپ میں دیکھنا پسند کرے گا۔ ہماری منگنی مکمل طور پر ارینج تھی۔ کوئی عشق و عاشقی کا چکر نہیں تھا اور نہ ہی منگنی کے بعد کوئی ایسا سلسلہ چلا جیسا کہ آپ سمجھ رہی ہوں گی۔ لیکن میں خوش تھا' مطمئن تھا اور مجھے ہونا بھی چاہیے تھا۔ ماہ نور میں کوئی کمی نہ تھی اور پھر وہ میرے پورے گھرانے کی مشترکہ پسند تھی۔ اس کی اچانک موت واقعی ایک سانحہ تھی' سب کے ساتھ ساتھ میرے لیے بھی۔ وہ ایسی لڑکی تھی معطر کہ اگر وہ میری منگیتر نہ ہوتی تب بھی یہ حادثہ میرے دل پہ اثر ڈالتا اور شاید مینا نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ وہ میری ایک نہ دو پوری چار عدد بھابھیوں کی چھوٹی اور چہیتی بہن بھی تھی۔

ان چاروں کا وجود مجھے ماہ نور کو بھلانے نہیں دیتا۔ ہمارے پورے گھر پہ پچھلے کئی ماہ سے سوگواری چھائی ہوئی ہے۔ میں' میری امی جان اور ابی جان کھل کر مسکرا بھی نہیں سکتے کہ کہیں ہماری بھابھیوں کو یہ محسوس نہ ہو کہ ان کا دکھ ہمارا دکھ نہیں ہے۔ انہیں اپنی بہوؤں کی دل آزاری منظور نہیں اور میں۔۔۔۔ بتائیں میں کیسے ہنس سکتا ہوں' بول سکتا ہوں۔"

"واقعی؟ عجیب سی بات ہے یہ تو۔ آج کل ایسا ہوتا ہی کہاں ہے؟" وہ مہران کی فیملی کے خلوص سے متاثر ہو گئی۔ "ساس سسر اور بہوؤں کے مزاج کا اس درجہ احساس کریں؟ کتنا اچھا لگ رہا ہے سننے میں ہی۔ یقیناً آپ کے امی اور ابو بہت حساس دل کے مالک ہیں لیکن انہیں اپنی بہوؤں کا غم بانٹنا چاہیے نہ کہ انہیں ان کے حال پہ چھوڑ دینا چاہیے اور آپ ایسے کیوں بنے پھر رہے ہیں۔ کیوں خود کو مجرم مجرم سا محسوس کرتے ہیں اپنی بھابھیوں کے سامنے' خود بھی مسکرائیں اور انہیں بھی ان کی مسکراہٹ واپس لوٹائیں۔ اس میں ڈرنے جھجکنے کی کیا بات۔"

وہ اس کے اتنے صحیح تجزیے پہ حیران ہو اٹھا۔ یہ سب تو اس نے معطر کو بتایا بھی نہیں تھا۔ واقعی وہ کھل کے جینا چاہتا بھی تو کسی نہ کسی بھابھی کو سامنے دیکھ کے چور سا بن جاتا۔ اسے لگتا جیسے وہ دل ہی دل میں گلہ کر رہی ہوں کہ "مہران اتنی جلدی۔۔۔ اتنی جلدی تم ہماری نور کو بھول گئے۔۔۔ اتنی جلدی۔" اور اس کے لب سکڑ جاتے' دل مرجھا جاتا۔

"پچیس پچیس سال کے ساتھ کے بعد جب کسی کی بیوی مر جاتی ہے تو میں نے اکثر کو چند ہی دنوں کے بعد دوسرا بیاہ رچاتے بھی دیکھا ہے اور کوئی انگلی تک نہیں اٹھاتا۔ آپ نجانے کیسی طبیعت کے ہیں کہ۔۔۔۔" وہ نجانے تعریف کر رہی تھی یا طنز۔

"نہیں بس ایسا ہی ہوں' مجھے ہمیشہ اگلے کی فکر زیادہ ہوتی ہے۔ کوئی کیا سوچ رہا ہے' کیا سوچے گا' فلاں کو کیسا لگے گا' فلاں کیا محسوس کرے گا۔"

"فی الحال تو مجھے یہ فکر زیادہ ہو رہی ہے کیونکہ میری فون کال خاصی لمبی ہو گئی ہے۔ ابھی کسی نہ کسی کام سے کوئی مجھے ڈھونڈتا آئے گا اور پہلا سوال یہی ہو گا کہ کسے فون کر رہی ہو۔"

"اور تمہارا جواب کیا ہو گا؟" بڑے نامحسوس طریقے سے وہ آپ سے تم پہ آ گیا۔

"بس یہ دعا کیجیے کہ اس سوال کی نوبت ہی نہ آئے۔ بات چھپانے کی تھوڑی سی بددیانتی میں پھر بھی کرلوں گی مگر مجھے دھڑلے سے منہ پہ جھوٹ بولنا نہیں آتا اور وہ بھی ان لوگوں سے جو مجھ پہ خود سے بڑھ کے اعتماد کرتے ہیں۔ اس لیے خدا حافظ۔" اس نے جواب سننے سے پہلے ہی ریسیور رکھ دیا لیکن اس کے آخری فقرے مہران کے آس پاس دیر تک گونجتے رہے۔

"تو محترمہ خدا ترسی اور ہمدردی کے جذبے سے مغلوب ہو کر میری دیوانگی کا علاج کرنا چاہتی تھیں۔" وہ دل میں خوب ہنسا۔ "تم مجھے دیوانہ، عاشق اور مجنوں ٹائپ کا بندہ سمجھ کر مجھ سے ہمدردی کر رہی تھیں۔ محترمہ! تم غلط تھیں، میں نہ تو جوگی تھا نہ ہی دیوداس۔ ہاں تم نے "اب" مجھے عاشق ضرور بنا دیا ہے اور وہ بھی اپنا۔"

♥ ♡ ♡ ♥

رات کو شادی کے موقع پہ اس کی آنکھیں کل کی طرح اسے ہی تلاشتی رہیں۔ بارات کے آنے کے بعد وہ اسے دیکھ پایا۔ آف وائٹ کلر کے نیٹ کے کامدار سوٹ میں اپنی دیگر کزنز کے ساتھ کھڑی وہ بڑی کھوئی کھوئی سی محسوس ہوئی۔ سارا ٹشن جیسے کوئی ایک دن میں لوٹ کر لے گیا تھا۔ شانے پہ بکھری ریشمی زلفیں چہرہ دونوں اطراف سے ڈھانپے ہوئے تھیں۔ اس نے پہلی بار اسے کھلے بالوں کے ساتھ دیکھا اور سراہے بغیر نہ رہ سکا تھا، بلاشبہ بے حد حسین اور دراز گیسو تھے۔

تقریب کے دوران دو ایک بار مہران کی نظر اس سے ملی بھی تو نجانے کیوں وہ رخ بدل گئی۔ اس کا گریز اور اجتناب مہران کی بے قراری اور سوا کر گیا۔

اگلے دن ولیمہ کی تقریب دوپہر کو تھی۔ وہ صبح سے ہی تہیہ کیے بیٹھا تھا کہ اس سے دو ٹوک بات کر کے رہے گا۔ بے شک وہ راحت کی فرسٹ کزن تھی لیکن شادی کے بعد نجانے اس سے دوبارہ سامنا کب ہو سکے۔ اگلے رابطے کے لیے اسے آج ہی کوئی سبیل نکالنی تھی۔ اس کا سامنا کرنے کے لیے اس نے خود کو ذہنی طور پر تیار کر لیا تھا۔

وہ جان گیا تھا کہ جب جب بھی وہ اسے ملی اور جتنی بار بھی ملی پہلے سے کہیں بڑھ کر دلکش اور منفرد محسوس ہوئی۔ ہر بار اس کا دیدار ایک نیا احساس دل پہ ثبت کرتا تھا۔ پہلی بار میں ہی اس نے مہران کو چونکا دیا تھا، جھنجھوڑ کے رکھ دیا تھا۔ "نجانے حسن یار آج کیا غضب ڈھانے والا ہے۔" وہ سر اٹھائے ہال میں موجود سینکڑوں لوگوں میں سے اسی ایک کو ڈھونڈ رہا تھا۔ ولیمہ کی تقریب میرج ہال میں تھی۔

"ایکسکیوزمی۔" پشت سے آتی مانوس آواز پہ وہ چونک کے پلٹا۔ ایک نئے روپ میں بالکل جدا انداز لیے وہ اس کے بالکل پیچھے کھڑی گزرنے کا راستہ مانگ رہی تھی۔ مہران نے ایک نظر ہال میں بیٹھے لوگوں کی گہما گہمی اور مصروفیت پہ ڈالی اور مزید پھیل کر کھڑا ہو گیا، کچھ یوں کہ اندر جانے کا راستہ آدھے سے زیادہ بند ہو گیا۔ وہ ٹھٹکی تھی۔

نیلگوں گہرائی لیے سلک کا جدید تراش کا سلاٹر اور زر اور شارٹ شرٹ کا سوٹ پہنے، آج وہ قدرے ماڈلک کے ساتھ سامنے آئی تھی۔ جیولری اور ہیئر اسٹائل میں بھی جدید انداز نمایاں تھا۔ مہران نے اس کی خوبصورتی، اعتماد اور ذہانت کے بعد اب اس کی خوش ذوقی کا بھی اعتراف کر لیا۔

"اس دن آپ نے میری بات سنے بغیر فون کیوں رکھ دیا؟" اس نے پوچھا تو بغیر گھبرائے وہ کہنے لگی۔

"کیونکہ میری بات مکمل ہو گئی تھی اور آپ کی بات سننے کی میں پابند نہ تھی۔"

"ویری سیڈ، لیکن اس وقت آپ کی ساری احتیاط پسندی اور دوراندیشی کہاں جا سوئی تھی جب ہمدردی کے بخار میں آدھی رات کو آپ ایک انجان شخص کو فون کر رہی تھیں۔"

"آخر آپ بار بار اسی بات کا حوالہ کیوں دیے جا رہے ہیں۔" وہ زچ ہو اٹھی۔ "اب بس بھی کیجیے۔"

"اونہوں، میں نے مان لیا کہ آپ کی نیت صاف تھی۔ اب آپ بھی مان لیجیے کہ آپ کا طریقۂ کار غلط

تھا۔"
"اچھا مان لیا۔" وہ عجلت سے بولی۔
"مینا کے کان پکڑ کر اسے سرزنش کرنے کا استحقاق رکھتا ہوں میں۔ اور آپ...... کیا تم مجھے کوئی حق دو گی؟" اس سے بات بن نہ سکی۔
"کان پکڑنے کا؟" حیرت سے اس کی بڑی بڑی آنکھیں اور کھل گئیں۔
"نہیں بھئی...... وہ..... دراصل......" وہ حقیقتاً پزل ہو گئی۔
"وہ اس دن تم نے کہا تھا کہ یادوں کے سہارے زندگی نہیں گزرتی لیکن تم یہ تو بتانا بھول ہی گئیں کہ زندگی پھر کس سہارے گزرتی ہے۔ کیا...... کیا تم وہ سہارا بنو گی معطر؟" اس کے لہجے کی گمبھیرتا پہ پلکیں گرائے کھڑی معطر نظر اٹھانے پہ مجبور ہو گئی۔ اس کی سیاہ بھنورا آنکھوں میں ایک گدگداتا سا مجسم سارے جواب لیے ہوئے تھا۔ مہران مطمئن سا ہو کے ایک طرف ہو گیا۔ پھر بعد میں اسے ایک کونے میں تنہا پا کے چپکے سے کہہ آیا۔
"میں نہ دھمکی دے رہا ہوں نہ التجا کر رہا ہوں۔ میں صرف تمہیں بتا رہا ہوں کہ کل رات دس بجے میں تمہارے فون کا انتظار کروں گا۔"
اور اس رات معطر کا فون آیا تو سہی مگر یہ وعدہ لینے کہ آئندہ کبھی وہ اسے فون کرنے کا نہیں کہے گا۔
"میں خود ہی کبھی کبھار تمہیں کال کر لیا کروں گی۔ اس وقت جب گھر پہ کوئی نہیں ہو گا۔ کسی کی موجودگی میں وہی خطرہ ہو گا کہ اگر کسی نے پوچھ لیا تو میں مشکل میں پڑ جاؤں گی۔ مہران میں نے خود سے عہد کر رکھا ہے کہ میں خود پر اعتماد کرنے والے ہر شخص کا مان رکھوں گی۔ میرا ایک جھوٹ اس مان میں دراڑ ڈال دے گا۔ مجھے یقین ہے تم کبھی ایسا نہیں چاہو گے۔"
اور اس نے بھی متاثر ہو کر وعدہ کر لیا تھا۔ بعد میں ای میل کے ذریعے اور کبھی نیٹ چیٹنگ کے ذریعے وہ دل کی باتیں کر لیا کرتے۔
آج کافی عرصے بعد اس کی فرمائش پہ وہ اپنا چہرہ دکھانے پہ رضامند ہوئی تھی۔ صرف یہی ایک طریقہ تھا جو معطر کے لیے کسی حد تک قابل قبول تھا۔ سخت ترین گرمی میں لمبا راستہ طے کرنے کے بجائے وہ کالج کے قریب ہی ماموں کے گھر چلی آئی اور طے شدہ پروگرام کے تحت مہران کو وہیں ہونا تھا۔ اس کا ارادہ معطر کی ایک جھلک دیکھنے کے بعد واپس لوٹنے کا تھا لیکن برا ہو اس بے قراری کا جو چھلک چھلک گئی۔ راحت نے اس کا بھید پالیا اور اب وہ اسے یونہی چھوڑ سکتا تھا بھلا۔



راحت نے اس سے سب کچھ اگلوا کے ہی دم لیا۔ (یہ الگ بات کہ جسے وہ سب کچھ سمجھ رہا تھا' وہ کچھ بھی نہ تھا' مہران نے جہاں تک ہو سکا داستان خاصی سنسر کر کے سنائی کہ بہرحال وہ معطر کا بھائی تھا' ماموں زاد ہی سہی۔ اس سے وہ اپنی واردات قلبی کی تمام تفصیل بے تکلفی سے تو کہہ نہیں سکتا تھا۔)
"تو یہ چکر ہے......" اس نے کشن اسٹیئرنگ کی طرح گول گول گھماتے ہوئے کہا تو مہران کو سخت برا لگا۔
"ایک تو یہ لفظ "چکر" مجھے سخت معیوب لگتا ہے۔ اچھا بھلا شریفانہ سا تعلق مشکوک ہو کے رہ جاتا ہے۔"
"جو چیز چھپائی جائے' اس میں کوئی نہ کوئی چکر ضرور ہوتا ہے۔" وہ اپنی بات پہ قائم تھا۔ "تم مجھ سے اتنی پرانی دوستی کے دعوے دار ہو اور اتنی اہم بات مجھ سے چھپا کر رکھی۔" مہران کے حسب توقع وہ گلہ کر ہی بیٹھا۔ اس کے پاس بھی جواب حاضر تھا۔
"یار! تو میرا دوست سہی لیکن آخر تیرے گھر کی بات تھی۔ تیری کزن ہے وہ۔" (اس نے جان بوجھ کر لفظ "کزن" استعمال کیا۔ خدشہ تھا کہ بہن کا لفظ اس کی غیرت کو جگا نہ دے۔) "ڈر تھا تم برا نہ مان جاؤ۔"
"ہاں۔ وہ میری کزن ہے اور تم میرے دوست ہو۔ میں اسے بھی اچھی طرح جانتا ہوں تمہیں بھی۔ برا لگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ برا تب لگتا جب میں

تمہارے بارے میں غیر مطمئن ہوتا۔ تم وقت گزاری کرنے والے بندے تو ہو نہیں جو میں سیخ پا ہوتا اور جہاں تک معطر کی بات ہے تو اس پر میں تم سے بھی کہیں بڑھ کے اعتبار کرتا ہوں۔ وہ کوئی غلط فیصلہ کر ہی نہیں سکتی۔ نو۔ نیور۔" وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔ اس کی حتمی تصدیق کے بعد مہران کے دل سے بوجھ سرکا' وہ سبک سا ہو گیا۔

"مجھے حیرت صرف اس بات پر ہو رہی ہے کہ ہم لوگوں کے اندازے کس قدر غلط تھے۔ ہم سب یار تو سمجھے بیٹھے تھے کہ تو اپنی منگیتر کے عشق میں گوڈے گٹوں سمیت غرق ہو چکا ہے۔ کیا ماہ نور کا خیال معطر سے ملنے کے بعد دل سے نکلا ہے یا پہلے ہی خیالات بدلنے شروع ہو گئے تھے۔"

"ماہ نور سے مجھے محبت نہیں تھی راحت! وہ صرف کم عمری کی محبت کا پہلا احساس تھی۔ محبت کا احساس ہونے میں اور واقعی محبت کرنے میں خاصا فرق ہوتا ہے۔" "محبت کا یہ فلسفہ میری سمجھ سے تو باہر ہے۔ مجھے تو سیدھی سادی باتیں ہضم ہوتی ہیں۔ جیسے کہ ایک دوسرے کو پسند کیا' ماں باپ تک بات پہنچائی' شادی کی اور اور اللہ اللہ خیر صلا۔ میری مان تو تو بھی محبت کے فلسفے رٹنا چھوڑ اور اسی لائن پہ آجا۔ بہت ہو گیا۔"

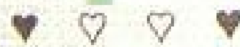
"میں بھی یہی چاہتا ہوں یار! مگر مجھے تو یہ نیا پار لگتی نظر نہیں آرہی۔ کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ اسی ڈپریشن میں یہاں تک چلا آیا۔ خود کو بہت تنہا تنہا سا محسوس کر رہا تھا۔ پتا چلا کہ معطر آج تمہاری طرف آنے والی ہے تو سوچا کہ۔۔۔ ورنہ یقین کرو' ایسے سستے اور اوچھے طریقوں سے ملاقاتیں کرنا نہ اسے پسند ہے نہ مجھے۔" اس نے ایک بار پھر اپنی اور اس کی پوزیشن صاف رکھنے کے لیے تھوڑی بہت غلط بیانی کے ساتھ کہا۔

"او چھوڑ یار! میں کیا جانتا نہیں۔ مجھے یقین ہے اپنے یار پہ۔ اور یہ تو نے کیا کہا کہ نیا پار نہیں لگ سکتی۔ جہاں تک مٹھو کا تعلق ہے تو پھوپھی جی کے گھر کا ماحول خاصا دوستانہ سا ہے اور پھر وہ اکلوتی بیٹی ہے اس کی پسند وہ مسترد کر ہی نہیں سکتے اور ایسی صورت میں جب اس کی پسند تیرے جیسا بندہ ہو۔ تیری سب سے بڑی سفارش تو تو خود ہے اور دوسری سفارش میں ہوں۔ پھر فکر کاہے کی۔"

"اور میرے گھر والے؟ ان سے نمٹنا کیا کم مشکل ہے۔" اس نے منہ لٹکا کر کہا۔ "مجھے تو ایسا لگتا ہے' میں رنڈوا ہو گیا ہوں لیکن نہیں لوگ رنڈوؤں کو بھی عقد ثانی کا مشورہ دینے میں دیر نہیں لگاتے۔ میرے لیے تو لگتا ہے دنیا ہی ختم ہو گئی ہے۔ ابھی صرف امی جی سے بات کی وہ تو سنتے ہی ایسے گھبرائیں جیسے خدانخواستہ میں کوئی جرم کر بیٹھا ہوں۔ شادی کے بارے میں سوچ کر۔ ابی جان سے بات کرنے سے انہوں نے صاف انکار کر دیا' ان کی ہچکچاہٹ پہ میں کھٹک سا گیا ہوں کہ ہو نہ ہو کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔ مجھے تو ڈر لگ رہا ہے' کہیں خدانخواستہ ابی جان مجھے ماہ نور کے نام پہ عمر بھر کنوارا بٹھائے رکھنے کا ارادہ تو نہیں کر بیٹھے۔"

"کیا بکواس کر رہا ہے؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ میرے کہنے پہ ایک بار پھر خالہ جان سے بات کر کے دیکھ۔ تھوڑی ڈائیلاگ بازی اور ایکٹنگ سے کام لے یار۔ ماؤں کو بلیک میل کرنا تو بہت آسان ہے۔"

"کوشش کرتا ہوں لیکن ان میں اتنی ہمت نہیں کہ وہ میری خاطر ابی جان سے ٹکر لے سکیں اور رہے ابی جان تو نجانے ان کے دل میں کیا ہے۔" مہران نے ایک بار پھر امی جان کا سہارا لینے کا ارادہ کیا۔



"آپ بات شروع تو کریں۔" وہ ایک بار پھر شفیقہ خاتون کے سر پہ سوار تھا۔

"کیسے کروں۔۔۔ کیا فائدہ؟ وہ ہرگز نہیں مانیں گے۔"

"کیوں نہیں مانیں گے۔ کیا ساری عمر مجھے کنوارا رکھنے کا ارادہ ہے۔ اس سے تو اچھا تھا' مجھے ماہ نور کے ساتھ ہی "ستی" کر دیتے۔"

"کیا کردیے؟" وہ ذرا نہ سمجھیں۔

"کباڑا!" وہ چلایا پھر امی کی آنکھوں میں حیرت اور غصے کے تاثرات دیکھ کر دھیما پڑا۔ شرمندگی بھی ہوئی کہ کس کا غصہ کہاں نکال رہا ہے۔

"سوری امی! دراصل میں۔۔۔۔ آپ سمجھیں پلیز۔ لبنیٰ سے بات کرنے میں آخر کیا مضائقہ ہے۔ کم از کم ان کے دل کی بات تو باہر آئے گی۔ پتا تو چلے کہ آخر وہ چاہتے کیا ہیں۔"

"دیکھو بیٹا! تم جانتے تو ہو کہ برسوں سے ان کا یہی خواب رہا ہے۔ تم کوں اتنے اتنے سے تھے تب سے انہوں نے اس خواب کی طناب تھام رکھی ہے ایک طویل عرصے سے جو دھن ان کے سر پہ سوار ہے اسے ایک دم تو نہیں اتارا جاسکتا۔"

"یہ دھن تو تب ہی ختم ہو جانی چاہیے تھی امی جی جب ماہ نور۔۔۔۔" اس نے لمحہ بھر توقف کیا۔

کوئی انسان تقدیر سے نہیں لڑ سکتا۔ ابی جان کو سب کچھ ان کے حسب منشا تو نہیں مل سکتا۔ ان کو یہ حقیقت تسلیم کرلینی چاہیے کہ طنابیں ان کے ہاتھ سے چھوٹ چکی ہیں۔ کچھ فیصلے زندگی خود اپنے ہاتھ میں لے لیتی ہے۔ ماہ نور کا جانا اور معطر کا میری زندگی میں آنا بھی اس کا بڑا ثبوت ہے۔"

اس نے امی کو ابی سے بات کرنے کے لیے راضی کر ہی لیا۔ لیکن ان کے خدشے بھی بے بنیاد نہ تھے۔ شفیقہ خاتون خود کو ہر طرح کی دھماکا خیز بات کے لیے ذہنی طور پر تیار کرنے کے باوجود کا بکا رہ گئیں۔

"کیا بکواس ہے یہ؟ عمران کی ہمت بھی کیسے ہوئی کسی اور جگہ سوچنے کی۔ کیا وہ جانتا نہیں میں اپنی اولاد کے بارے میں کیا فیصلہ کر چکا ہوں۔" "اور امید تو مجھے تم سے بھی نہیں تھی شفیقہ خاتون کہ تم سب کچھ جانتے سمجھتے ہوئے بھی اس کا مقدمہ میرے سامنے پیش کرنے چلی آؤ گی۔ کیا تمہاری نظر میں بھی میرے خوابوں کی کوئی وقعت نہیں ہے؟" ان کے کڑک دار لہجے میں رفتہ رفتہ گھلتا ملال انہیں پشیمان کر گیا اور وہ خود کو غلط نہ مانتے ہوئے بھی سرزنش کرنے لگیں۔

"جاؤ جا کر کہہ دو اس سے' چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر یہ عشق کا بخار اتر جانا چاہیے' ورنہ علاج کے لیے مجھے خود کچھ کرنا پڑے گا اور وہ اچھی طرح جانتا ہے' میرا طریقہ علاج کیا ہے۔" انہوں نے الماری کے پیچھے کئی سالوں سے سنبھال کے رکھی بید کی چھڑی کی طرف اشارا کرتے ہوئے کہا تو شفیقہ خاتون کا دل ایک بار پھر بے ایمان ہو گیا' ان کی ہمدردیاں دوبارہ بیٹے کی جانب منتقل ہو گئیں۔

"کیسی باتیں کرتے ہیں آپ خواجہ جی! جوان بیٹے کے ساتھ کیا ایسے پیش آیا جاتا ہے۔ کیا انوکھا کام کرلیا ہے اس نے' کون سا جرم کر بیٹھا ہے۔ اچھے گھرانے کی ایک سلجھی ہوئی شریف بچی ہے' اس کے رشتے کے لیے ہمیں بھیجنا ہی تو چاہتا ہے۔ اس میں بری بات کون سی ہے۔"

"جب وہ جانتا ہے میں اپنی بہوئیں سالوں پہلے منتخب کر چکا ہوں۔ تو اسے ادھر ادھر نظر بھٹکانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ دیدہ دلیری تو دیکھو' منہ پھاڑ کے اپنے رشتے کے لیے فرمائش بھی کرائی جارہی ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوگا' اس گھر میں باہر سے کوئی لڑکی نہیں آئے گی۔ یہ میرا برسوں پرانا فیصلہ ہے۔ آج کل کس گھرانے میں اس خوش اسلوبی سے چار چار بھائیوں کے کنبے اکٹھے رہ رہے ہیں۔ آنے والی پانچویں بہو اگر ان چاروں میں سے نہیں ہوگی تو۔۔۔۔ تو بنا بنایا گھر ڈانوا ڈول بھی ہو سکتا ہے بیگم۔۔۔۔! یہ بات اسے سمجھا دو۔ اس گھر کو گھر بنائے رکھنے کے لیے ایسا کرنا ضروری ہے۔ اسے اپنی ضد چھوڑنی ہوگی۔"

"آپ کی ہر بات درست' لیکن تقدیر سے کون لڑ سکتا ہے' سب ویسا تو نہیں ہوتا جیسا ہم سوچیں۔" بیٹے کا پڑھایا تازہ بہ تازہ سبق دہرایا گیا۔ "اب اگر ماہ نور نہیں رہی تو کیا عمران کو اپنا گھر بسانے کا کوئی حق نہیں ہے کیا؟ جب جیتا جاگتا انسان پل بھر میں ختم ہو سکتا ہے تو خوابوں کی بساط ہی کیا ہے۔"

"واہ بیگم۔۔۔۔" انہوں نے توہینی انداز میں کہا۔

"ساری عمر یہ حسرت رہی تھی کہ کبھی آپ کے منہ

سے بھی چار رہا تھیں سیانی سن لیں لیکن بجلی کے روز بروز بڑھتے نرخوں، لان کے سوتوں کے کچے رنگوں، مسالوں کے گھٹیا معیار اور ملازمین کی آئے دن کی چھٹی کے دکھڑے رونے کے سوا آپ سے کبھی کچھ نہ سنا۔ ماشاء اللہ آج تو بڑی مدبرانہ گفتگو ہو رہی ہے۔" تحسین کے چھینٹے مارتے مارتے اچانک انہوں نے پینترا بدلا۔ "لیکن عقل مندی کی باتیں کرنے میں اور واقعی عقل مند ہونے میں بہت فرق ہوتا ہے۔" اس طنزیہ انداز پہ وہ خجل ہو کے رہ گئیں۔ واقعی یہ بڑی بڑی دلیلیں وہ کیسے دے سکتی تھیں بھلا۔ بس جو مہران سے سنا دہرا دیا۔

"خواب کبھی نہیں مرتے، انسان مر جاتے ہیں۔ میرا خواب ماہ نور نہیں تھی، وہ نہیں رہی مگر میرا خواب سلامت ہے۔ اس خواب میں آخری رنگ اب ماہ گل بھرے گی۔"

شفیقہ خاتون پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھنے لگیں۔ شوہر کی مزاج آشنا ہونے کی وجہ سے یہ موہوم سا اندیشہ ان کو کئی دنوں سے ہولا تو رہا تھا۔ خواجہ صاحب کی اطمینان بھری خاموشی اسی طرف اشارہ کر رہی تھی لیکن پھر خود ہی وہ اپنے اس خیال کو جھٹلا دیتی تھیں۔ "نہیں نہیں خواجہ صاحب لاکھ ضدی اور جذباتی ہوں پھر بھی ایسا نامعقول خیال ان کے دماغ میں نہیں آسکتا۔" ان سے ہر طرح کی نامعقولیت کی امید رکھنے کے باوجود وہ خوش گمان ہو جاتیں لیکن اب دو ٹوک الفاظ میں اپنا فیصلہ سناتے ہوئے خواجہ خلیق نے ان کی ساری خوش گمانیوں کی ایسی کی تیسی کر کے رکھ دی تھی۔

"یہ۔۔۔ یہ زیادتی ہے۔" کمزور آواز میں انہوں نے احتجاج کرنا چاہا جسے خواجہ صاحب نے فوراً ہی دبا دیا۔

"کیسی زیادتی؟ کیا غلط سوچ لیا میں نے۔ اپنے گھر کو گھر بنائے رکھنے کی خواہش رکھنا غلط کیسے ہو سکتا ہے؟ اپنی اولاد کو پیار محبت سے اکٹھے ہنستا بستا دیکھنا زیادتی کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ تو خدا کا کرم ہے، اس نے مجھے کسی امتحان میں نہیں ڈالا، ورنہ سوچو ماہ نور کے بعد اگر ماہ گل کا وجود نہ ہوتا تو میں کس قدر مشکل میں پڑ جاتا۔"

"کاش ایسا ہی ہوتا۔" شفیقہ خاتون نے دل ہی دل میں سوچا۔ "ماہ گل کے لیے ایسا سوچنے سے قبل آپ اسے غور سے دیکھ تو لیتے۔ بمشکل تیرہ چودہ سال کی ہو گی۔ برا نہ مانیں لیکن آپ کی اپنی بڑی پوتی ندا تقریباً اس کی ہم عمر ہی ہے جسے آپ ابھی تک کاندھے پہ اٹھائے پھرتے ہیں اگر کل کو کوئی اس کے رشتے کے لیے آپ سے بات کرنے آجائے تو؟ اور وہ بھی کسی ایسے لڑکے کے لیے جو اس سے عمر میں دوگنا بڑا ہو تو آپ کو کیسا لگے گا؟" ان کا گستاخانہ انداز خواجہ جی کو سخت ناگوار گزرا۔

"تم آج بہت بڑھ چڑھ کے بول رہی ہو شفیقہ۔" ان کے پاس آخری حربہ بس یہی تھا کہ وہ ڈانٹ کر انہیں چپ کرا دیں اور ایسا ہی ہوا شفیقہ خاتون سہم سی گئیں لیکن بڑبڑا کر اتنا کہنے سے خود کو روک نہ پائیں۔

"آپ مجھے تو چپ کرا دیں گے مگر آپ کے اس فیصلے پہ اور کون ہے جسے اعتراض نہ ہو گا۔ اتنا بے جوڑ سا رشتہ ہے اور بے تکا بھی۔ پھر مہران۔۔۔ وہ تو ماہ گل کو اس حیثیت سے ہرگز قبول نہیں کرے گا خاص طور پر اب جب کہ وہ کسی اور کو سنجیدگی سے پسند کرنے لگا ہے۔"

"اسے اپنی پسند بدلنی ہو گی اور باقی سب کو بھی اپنے اپنے اعتراض پس پشت رکھنے ہوں گے۔ اس گھر کی بقا کے لیے یہ اقدام اب اور زیادہ ضروری ہو گیا ہے۔ ظاہری سی بات ہے اگر آخری بہو باہر سے لاؤں گا تو وہ خود کو اوپرا اوپرا محسوس کرے گی۔ یہ چاروں سگی ایک طرف ہوں گی اور وہ الگ۔ گھر میں دو محاذ کھلے ہوں گے۔ میں مہران کی بہتری کے لیے یہ فیصلہ کر رہا ہوں۔ اسے اپنی زندگی میں سکون اور امن چاہیے تو میری بات مان لے۔"



مہران کے لیے تو ابا جی کا یہ نیا حکم تباہ کن تھا ہی، باقی سب کے لیے بھی کم غیر متوقع نہ تھا۔ سب ہی اپنی اپنی جگہ حیران تھے، آخر ابا جان کو یہ سوجھی کیسے۔ خواجہ

جی کی ہدایت کے پیش نظر گھر بھر میں یہ خبر پھیلانے کے بعد شفیقہ خاتون یوں شرمندہ شرمندہ سی تھیں جیسے اس نامعقول فیصلے میں ان کا برابر کا ہاتھ ہو۔ مہران تو سن کر بدک ہی اٹھا تھا۔

"کمال کرتے ہیں ابی جان' یہ نت نئے تجربے کرنے کے شوق میں آخر کار وہ اپنی اولاد کا بیڑا غرق کر کے چھوڑیں گے۔ انہیں بتایئے کہ ان کے بیٹوں میں اور ان کے پالتو جانوروں میں بہت فرق ہے' ان کی اولاد اور ان کی اگائی سبزیوں کے تقاضے بالکل جدا جدا ہیں۔ تجربے کرنے کے شوق وہ ان ہی پہ پورے کر لیا کریں۔ باگڑو کو دودھ اور ملائی کے بجائے انہوں نے ناشتے میں جیم توس دینے کا تجربہ کیا۔ اسکوبی ڈو کو ہڈیاں اور گوشت کھلانے کے بجائے سبزیاں کھلانے کی کوشش کی۔ ڈونالڈ کو کئی کئی دن پانی سے دور رکھا۔

ان کے اس جدت آمیز تجربات کا کیا رزلٹ رہا' باگڑو نے کھانا پینا ترک کر دیا' اسکوبی ڈو اچھی بھلی پرامن فطرت بھلا کر ہر آنے جانے والے پر لپکنے لگا اور ڈونالڈ نے چیخ چیخ کر گھر سر پہ اٹھا لیا۔ جب ان کے الٹے سیدھے تجربے بے زبان جانوروں نے قبول نہیں کیے تو مجھ سے یہ توقع نہ رکھی جائے کہ میں ایسی تابعداری کا مظاہرہ کروں گا۔ اگر بات صرف والدین کا حکم ماننے اور اپنی پسند کو اولیت نہ دینے کی ہوتی تو پھر بھی سوچا جا سکتا تھا لیکن۔۔۔

ماہ گل۔۔۔ آپ خود سوچیں۔۔۔ کوئی ذی ہوش آج کے زمانے میں ایسی بات سوچ سکتا ہے۔ اگر معطر میری زندگی میں نہ آئی ہوتی تب بھی یہ فیصلہ میرے لیے قطعی ناقابلِ قبول ہوتا۔ آپ ابی جان سے کہہ دیجیے کہ بھلے سے آپ میری خوشیوں کی پروا نہ کریں' معطر کو قبول نہیں کرنا تو نہ کیجیے' مجھے منظور ہے لیکن میں صرف ان کی بے تکی سی فرمائش پوری کرنے کی خاطر ایک معصوم بچی کی زندگی برباد نہیں کر سکتا۔

میں تو یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ میری چھوٹی بہنوں جیسی ہے' ندا اور آمنہ کی دیکھا دیکھی وہ مجھے چاچو کہہ کر پکارتی تھی اور میں نے اس میں اور ندا میں کبھی کوئی فرق نہیں سمجھا اور آپ جانتی ہیں کہ ندا میری کیا ہے؟ وہ میری بیٹی ہے۔"

اس کے قطعی لہجے پر شفیقہ خاتون چپ کی چپ رہ گئیں یوں بھی ان کو چپ ہی رہنا تھا۔ اپنی بساط سے کہیں بڑھ کے وہ پہلے ہی بول چکی تھیں۔ البتہ باقی سب خوب بڑھ بڑھ کے بول رہے تھے۔ سب ہی نے اپنا اپنا ردعمل الگ الگ انداز میں ظاہر کیا تھا لیکن سب سے عجیب و غریب ردعمل مہ پارہ بھابھی کا تھا۔

"ابی جان کو کم از کم اب تو اپنی اولاد کو اعتماد میں لے لینا چاہیے تھا۔ اتنے سال شادی کو ہو گئے' بال بچے بھی قد کے برابر آ گئے لیکن اب بھی ان بھائیوں کی حیثیت اپنے ابی کی نظر میں ننھے بچوں کی سی ہی ہے۔ اتنا بڑا فیصلہ چپ چپاتے ہو گیا' مشورہ لینا تو دور کی بات' کسی نے ڈھنگ سے اطلاع دینا گوارا نہیں کیا۔"

"بہوؤں کی حیثیت تو تب بنے جب بیٹے خود اپنا مقام بنا پائیں۔" حیرت انگیز طور پہ مہ جبیں بھابھی نے ان کی تائید کی ورنہ مزاجاً دونوں "شمالاً" "جنوباً" تھیں۔

"چلو بہو سمجھتے ہوئے نہ سہی اس حیثیت سے ہی رائے لے لیتے کہ ماہ گل کا ہم چاروں سے کتنا گہرا رشتہ ہے۔"

مہران نے خاصی ناگواری سے ان کا تبصرہ سنا اور مدد طلب نگاہوں سے لقمان اور عمران کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں لاتعلقی کے ساتھ فٹ بال کا میچ دیکھنے میں مگن تھے۔

"ہاں تو اور کیا؟ آخر کب ہماری حیثیت تسلیم کی جائے گی۔ ذمہ داریاں نبھانے میں سب برابر کے شریک لیکن اختیار کسی کے پاس بھی نہیں۔" دونوں متفق ہو گئیں اور مہران مایوس ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"فیصلہ مناسب ہے یا نامناسب' اس سے کوئی غرض نہیں۔ بس یہ غم ستا رہا ہے کہ انہیں لفٹ کیوں نہیں کرائی گئی۔" یہ سب سوچتا وہ بڑی بھابھی کے پاس چلا آیا' امید تھی کہ وہ اپنی سمجھ داری کی بدولت شاید اس کا مسئلہ حل کرنے میں کوئی مدد کر سکیں۔ وہ ندا کو ہوم ورک کرا رہی تھیں۔ قریب ہی فرقان بھیا

کیلکو لیٹر اور رسید بک سنبھالے کسی حساب کتاب میں مصروف تھے۔ اس نے ندا کو بہانے سے چائے بنانے بھیجا اور اپنا دکھڑا رونے لگا۔

"بھابھی! آپ ہی بتایئے۔ ابی جان کی ضد جائز ہے یا ناجائز۔ میں معطر کو پسند کرتا ہوں لیکن اگر ایسا کچھ نہ بھی ہوتا تو ان کا فیصلہ میرے لیے ناقابل قبول تب بھی تھا۔ کوئی تک بھی تو ہو کسی بات کی۔۔۔"

بھابھی کچھ کہنے جا ہی رہی تھیں کہ پہلے بھیا نے قلم ہاتھ سے رکھ کر بیان دیا۔

"ابی جان کو عادت ہے بے تکے جوڑ ملانے کی۔" بھابھی کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا۔ انہوں نے اپنی بات جاری رکھی۔

"اس بات سے انہیں کیا غرض کہ کیا جائز ہے کیا ناجائز، کس کی حق تلفی ہو رہی ہے، کس کے ساتھ ناانصافی۔۔۔ بس ان کا برسوں پرانا خواب پورا ہونا چاہیے۔ ان کے پانچوں بیٹے ایک ہی چھت تلے رہنے چاہئیں۔۔۔ اب وہ کیسے رہتے ہیں۔۔۔ خوش یا پھر۔۔۔ خیر میں نے کہا ناں اس سے انہیں کیا غرض۔ ان کی مرضی کے مطابق ان کے بیٹوں کی بیویاں کھی منتخب ہیں اور حسب امید خاصے سلوک سے رہ بھی رہی ہیں۔ چلو ان کو بہو میں تو من پسند مل گئیں، بیٹوں کو بیویاں من چاہی ملیں یا نہ ملیں۔" بے حد جلے ہوئے انداز میں کیا گیا یہ تبصرہ تھا بھابھی کا پارہ چڑھا گیا۔

"بیٹوں" کا نام کیوں لیتے ہیں، صرف اپنی بات کریں۔ اتنے سال گزر گئے شادی کو ابھی تک پچھتاوا ختم ہونے کو نہیں آ رہا۔ بیوی کے سامنے جلے دل کی بھاپ اڑانے کا کیا فائدہ، اتنے ہی ارمان مچل رہے تھے من چاہی دلہن کے تو اس وقت کیوں نہ اپنی مرضی چلا لی۔"

"ہونہہ۔۔۔ مرضی۔۔۔" انہوں نے استہزائیہ ہنکارا بھرا۔ "یہ تمہارے سامنے تو کھڑا ہے "مرضی" والا، کتنی سنی جا رہی ہے اس بیچارے کی؟ اور وہ تو وقت ہی اور تھا۔ اس زمانے میں تو ابی جان کے "نہلے" ہی اور تھے، دم مارنے کا حوصلہ نہ تھا۔ بس۔۔۔ بڑے پھنسے۔"

"بس کیا کیجیے، بچے بڑے ہو رہے ہیں۔ بیٹی کو ایک نظر دیکھ لیجیے۔ شاید ہوش آ جائے۔ ہر وقت یہی ذکر۔ یہی رونے۔۔۔ سن سن کر تنگ آ گئی ہوں میں تو۔" بھابھی نے ہاتھ میں پکڑی کاپیاں نیچے پٹخیں اور سخت عاجز آ کر کہا۔

"صرف سن سن کر ہی؟ میری ہمت کی داد دو، دیکھ دیکھ کر تنگ آ گیا ہوں بے رونقی۔۔۔ بد رنگی۔۔۔ اور بد مزاجی بھی۔۔۔" انہوں نے چھوٹے بھائی کی موجودگی کا لحاظ بھی نہ کیا اور انتہائی خراب الفاظ میں اپنی بے زاری ظاہر کی جسے سن کر بھابھی کے چہرے کا رہا سہا رنگ بھی اڑ گیا۔ اتنی تذلیل وہ برداشت نہ کر سکیں اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔ مہران خود بھی دنگ تھا دونوں کے حالات دیکھ کے۔

بھیا کی بھابھی سے بے زاری اور گریز روز اول سے سب پہ عیاں تھا، یہ کوئی ڈھکی چھپی بات تو نہیں تھی لیکن اس طرح بھیا کو کھل کر بولتے دیکھ کر وہ حیران تھا۔ (یہ تو ان کی عادت نہ تھی) وہ کچھ کھٹک سا گیا۔

"پلیز بھیا! کیا ہو گیا ہے آپ کو۔ وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں۔ بچے بڑے ہو رہے ہیں اور سمجھ دار بھی، ہر بات کا اثر لیتے ہیں۔ ہر وقت کی نوک جھونک مناسب نہیں۔" اس نے بھیا کی اچھی خاصی بدزبانی کو مروت میں نوک جھونک کا نام دیا۔ "عمر کے اس دور میں آ کر بردباری۔۔۔"

"کیسی عمر، کتنی عمر؟ اور میری عمر یا اس کی عمر؟" بھیا بھڑک ہی تو اٹھے۔ "میرا خیال تھا کہ تم پہ یہ وقت آن پڑا ہے، اس لیے کم از کم تم تو میرا دکھ جان پاؤ گے لیکن نہیں۔۔۔ سب کی نظر میں بس اپنا مسئلہ ہی اہم ہوتا ہے۔ دوسروں کے لیے بڑی آسانی سے صبر اور برداشت کے مشورے دے دیے جاتے ہیں۔"

"میں اسٹینڈ لے چکا ہوں اور جو دور آپ گزار رہے ہیں۔ اس سے بچنے کی خاطر ہی یہ سب کر رہا ہوں۔ میری نظر میں یہ اہم نہیں کہ میرا من پسند ساتھی مجھے ملے۔۔۔ یہ بات زیادہ اہم ہے کہ کوئی اور ہستی میری

ناپسندیدگی کی بھینٹ نہ چڑھے۔ اگر آپ میں ہمت نہیں تھی اپنی منوانے کی تو اس میں بھابھی بیچاری کا کیا قصور۔ وہ خود تو زبردستی آپ کے سر پہ نہیں چڑھیں۔ اپنی بزدلی اور کم ہمتی کی بھڑاس ان پہ نکالنے کا کیا فائدہ؟"

"بھڑاس میں نکال رہا ہوں یا تم؟ تمیز تک نہیں تمہیں بڑے بھائی سے بات کرنے کی؟ اپنی اوقات میں رہو۔ پہلے اپنا کیس نمٹا لو پھر اپنی چہیتی بھابھی کی وکالت کرتے رہنا۔" فرقان آئینے میں اپنی صورت دیکھتے ہی بدک گئے اور اسے کمرے سے چلتا کر دیا۔ دروازے کے باہر سرخ آنکھیں لیے بیٹھی بڑی بھابھی کو دیکھ کر وہ نظریں چرا تا باہر نکل گیا۔

"نعمی......"

یہ انداز اور یہ آواز صرف چھوٹی بھابھی کی تھی۔ وہ چپ چاپ آنکھیں موندے لیٹا رہا۔

"نعمی...... کھانا نہیں کھاؤ گے؟" وہ قریب چلی آئیں۔ ابھی چند منٹ پہلے اس نے رضی کے ذریعے کھانے سے صاف منع کرنے کا پیغام بھجوایا تھا لیکن وہ رہ نہ سکیں اور خود پوچھنے چلی آئیں۔

ہمیشہ کی طرح وہ اس بار بھی ان کے سامنے مجبور ہو گیا اور آنکھوں سے بازو ہٹا کر انہیں خفگی سے تکنے لگا۔ طویل ناراضی کا سارا پروگرام تہس نہس کر دیا تھا انہوں نے اپنے میٹھے لہجے کے وار سے۔

"رضی نے بتایا نہیں آپ کو۔" وہ روٹھا روٹھا سا بولا۔

"اور رضی نے یہ نہیں بتایا کہ میں نے تمہاری پسند کی مسالہ بھری بھنڈی پکائی ہے اور قیمہ میں شملہ مرچ بھی تمہارے لیے ہی ڈالی ہے ورنہ اور سب تو آلو قیمہ ہی شوق سے کھاتے ہیں۔ چلو اٹھو...... شاباش...... باہر آؤ...... میں گرم گرم روٹی ڈالوں۔" وہ بازو کھینچ کر اسے اٹھنے پہ آمادہ کرنے لگیں لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے، بالکل بھی نہیں ہے۔" مہ ناز نے رتی برابر یقین نہ کیا۔ اس نے ناشتے پہ بھی خالی چائے کا کپ ہی لیا تھا اور وہ جانتی تھیں کہ ان کا یہ اکلوتا دیور بھوک کا کس قدر کچا ہے اور خصوصاً "چھٹی والے دن تو ناشتہ کرتے ہی دوپہر کے کھانے کے لیے واویلا شروع کر دیتا، کچن میں گھس گھس کر فرمائشیں کی جاتیں۔

"چلو چلو، نخرے چھوڑو، کھانے سے کیا ناراضی بلکہ ہم سب سے بھی کیا ناراضی، شکایت تو صرف امی سے ہے پھر یوں گھر بھر سے منہ سجا سجا کر پھرنے کا کیا مطلب؟"

"مجھے سب سے شکایت ہے۔ کون ہے جو میرا ساتھ دے رہا ہے؟ امی ہیں تو ہار مان کے بیٹھ گئی ہیں۔ بڑے بھیا کے پاس گیا تو بجائے میری مدد کرنے کے اپنے پچھلے حساب کھول کے بیٹھ گئے امی جان سے، الٹا بھابھی کی شامت آ گئی، میرا مسئلہ وہیں کا وہیں رہا اور دونوں کا جھگڑا شروع۔ عمران اور لقمان بھیا سے ڈسکس کرنا چاہا تو دونوں نے حسبِ عادت لاتعلقی اختیار کر لی، ان دونوں کا تو خیر ہمیشہ سے یہی وتیرہ رہا ہے۔ گھر کے ہر معاملے سے الگ تھلگ رہتے ہیں جیسے کسی سے کوئی رشتہ ہی نہ ہو۔ بس اپنا آفس، اپنا کام، اپنی بیوی، اپنے بچے...... اور بھابھیاں...... ان کی بات ہی نرالی ہے، جانتی ہیں اس وقت انہیں کیا غم لاحق ہے کہ امی جان نے انہیں میٹنگ میں شریک کیوں نہیں کیا اور ان کا موقف ہے کہ جب کسی بات میں ان کی رائے طلب کی ہی نہیں جاتی تو پھر وہ دخل بھی کیوں دیں۔ ہر طرف سے صاف انکار سننے کے بعد کیا اب بھی مجھے ناراض ہونے کا حق نہیں۔"

"ہر طرف سے؟ ہر طرف سے تو انکار نہیں ہوا۔ تم نے مجھ سے بات کی؟ اپنے چھوٹے بھیا سے ذکر کیا؟"

"آپ سے؟ مگر آپ کیا کرتیں...... آپ تو خود امی جان کی......" وہ "چمچی ہیں" کہتے کہتے رک گیا۔ "جب امی جان اور بڑی بھابھی نے معذوری ظاہر کر دی تو آپ بھلا کیا تیر مار لیتیں۔"

"اور کچھ نہیں تو تمہیں تسلی دے دیتی، امید دکھا دیتی۔"

"اوہو...... تسلی...... امید...... ہاں بھئی خزانے

بھرے پڑے ہیں آپ کے پاس تسلیوں کے 'امیدوں کے بھی انبار لگے ہیں۔ لیکن صرف زبانی کلامی امداد سے کچھ بننے والا نہیں۔ بات تو جب ہے کہ عملی طور پر کوئی قدم اٹھائے۔ اگر آپ ابی جان کو ان کا فیصلہ تبدیل کرنے پہ مجبور کر سکیں تو مانیں۔" اس نے چیلنج دیا۔ ظاہر ہے مہ ناز بھابھی سے زیادہ ابی جان کی تابعداری اور جی حضوری کرنے والا اور کون تھا۔

"کیا فیصلہ' فیصلہ لگا رکھا ہے۔ کون سا فیصلہ میرے منے بھیا؟ بھلا فیصلہ بھی کبھی یک طرفہ ہوتا ہے؟" وہ پراسرار طریقے سے مسکراتے ہوئے بولیں۔

"کیا مطلب؟ ارے اتنے سالوں میں آپ جان نہیں پائیں۔ یہاں تمام فیصلے یکطرفہ ہوتے ہیں۔ اولاد کو پرایا سمجھ کر بڑی آسانی سے تمام معاملات نمٹائے جاتے ہیں۔"

"ہاں مگر اپنی اولاد کے۔۔۔۔ کسی کی اولاد پہ کیا زور؟"

"ہیں۔۔۔ یعنی۔۔۔ کیا کہنا چاہ رہی ہیں آپ؟" وہ چونکا۔

"صاف اور سیدھی بات ہے' یہ ابی جان کا فیصلہ ہے لیکن اسے منظوری تو میرے اباجی ہی دیں گے۔ تم بات آگے بڑھنے تو دو۔۔۔۔ پھر دیکھو اور تیل کی دھار۔" مہ ناز کی بادامی آنکھوں میں شرارت تیر رہی تھی۔

"یعنی آپ دوبدو آنے کے بجائے پس پردہ رہ کر میری مدد کریں گی۔" وہ پرجوش ہو کر اٹھ بیٹھا۔

"ہاں لیکن اگر ضرورت پڑی تو۔۔۔ ورنہ مجھے امید ہے کہ اباجی خود ہی سمجھ داری کا ثبوت دیں گے۔ دراصل بہت سی باتیں ہیں جنہیں ابی جان اپنی جذباتیت میں نظرانداز کر رہے ہیں' یہ سب میرے اور تمہارے بجائے اباجی انہیں بہتر طور پر سمجھا پائیں گے۔"

اس گفتگو کے بعد وہ وقتی طور پر مطمئن ہو گیا۔ اس نے سوچ لیا کہ شیخ نواز حسین سے ابی جان کی بات ہونے سے پہلے اتنا پریشان ہونا قبل از وقت ہے۔

اس کی طبیعت پہ چھایا تکدر دور کرنے میں کچھ ہی دیر بعد آنے والا معطر کا فون مزید مددگار ثابت ہوا۔ لیکن کوشش کے باوجود وہ اپنے لہجے میں مخصوص بشاشت پیدا نہ کر سکا جسے معطر نے فوراً" محسوس کر لیا۔

"کیا بات ہے؟ آپ کچھ بجھے بجھے لگ رہے ہیں۔"

"خیریوں تو مت کہو۔ مکمل بجھا تو نہیں ہوں بس ذرا ٹمٹما رہا ہوں۔"

"خیریت؟ یہ کس نے مزاج شریف کے شعلے پھونکوں سے بجھانے کی کوشش کی ہے؟" وہ ہنسنے لگی۔

"میرے ابی جان نے اور کس میں اتنا دم ہے۔" وہ سنجیدہ ہوا تو معطر بھی چپ کر گئی اس کے والد کا ذکر سن کر۔

"کہیں یہ سب میری وجہ سے تو نہیں مہران؟" وہ فکر مند ہو گئی تو اسے لب کھولنے ہی پڑے۔

"اوکم آن مٹھو۔" لاڈ میں آکر وہ اسے اسی نام سے پکارتا۔ "میرے اور ابی جان کے درمیان یہ سب چلتا ہی رہتا ہے۔ اب کوئی نہ کوئی تو گھر میں ایسا ہونا چاہیے جو آمریت سے ٹکرائے ورنہ حکمرانوں کی عادتیں مزید خراب ہو سکتی ہیں۔" اس نے لائٹ سے انداز میں کہا لیکن معطر کی حساس طبیعت اور بے چین ہو اٹھی۔

"کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ اپنے والد کے بارے میں۔ ٹھیک ٹھیک بتائیں۔ کوئی زیادہ بدتمیزی تو نہیں کی ان سے۔"

"نہیں یار۔۔۔۔"

"مجھے یار مت پکاریں۔" اس نے ناگواری سے ٹوکا۔ "ہاں اب آگے بتائیے۔"

"محترمہ۔۔۔۔ بلکہ عزت مآب محترمہ معطر ہمایوں صاحبہ! ناچیز نے اپنے والد بزرگوار سے کسی قسم کی کوئی گستاخی نہیں کی۔ بندہ صرف اقبال جرم کر بیٹھا ہے یعنی آپ کو پسند کرنے کا اظہار کیا ہے اور بس۔۔۔۔ ظاہر سی بات ہے۔ جس گھر میں اولاد کا چوں کرنا بھی ناممکن ہو وہاں اگر کوئی سپوت باقاعدہ چاں چاں کرنے لگ جائے تو ایک دم جھٹکا تو لگتا ہے ناں برسر اقتدار شخصیت کو۔

اس کے انداز میں ہنوز لاپروائی تھی۔ درحقیقت وہ دانستہ اس معاملے کی سنگینی ظاہر کرنا نہ چاہ رہا تھا۔

"کیا واقعی بات سیریس ہو گئی ہے۔" مہران کو اس کی آواز سے ہی لگ رہا تھا کہ اس کے چہرے پہ ہوائیاں اڑ رہی ہوں گی۔

"نہیں بھئی' ایسی خاص پریشانی والی بات نہیں۔ دراصل تم تو ہو اپنے پیرنٹس کی اکلوتی اکلوتی صاحبزادی۔ تم نے یہ بھرے پرے کنبوں والے مسائل کہاں دیکھے ہوں گے۔ "آج کیا پکے گا" جیسے روزمرہ کے مسئلہ پہ بھی ہمارے گھر میں دس دس آرا پیش ہوتی ہیں اور یہ بات بھی خاص الخاص ہے۔ جتنے لوگ ہیں اتنے ہی مشورے۔ خیر سے چار تو میری بھابھیاں ہیں' امی جان کی پسند الگ اور ابی جان تو خیر ہیں ہی سب سے زیادہ نکتہ چیں۔"

"نہیں مہران' مجھے ڈر لگتا ہے۔ آپ پلیز ایسی کوئی کوشش مت کیجیے جس کے نتیجے میں اتنے لوگ آپ سے خفا ہو جائیں۔ جو آپ سے ناراض ہو کر مجبوری کی حالت میں مجھے قبول کریں گے ان کے دل میں بھلا میرے لیے کتنی گنجائش ہو گی۔ میری حیثیت تو کمزور اور بودی ہی رہے گی۔ مجھے نہ عزت ملے گی نہ محبت۔ نجانے کیا کیا برداشت کرنا پڑے۔" اس کے آنسو چھلک پڑے۔

"بس یہی تو ساری بات ہے۔" وہ جھنجلا گیا۔ "نہ تم میری فیملی کو اچھی طرح جانتی ہو نہ ہی وہ تمہیں۔ تم اپنے طور پہ اندازے لگا کر نا امید ہو رہی ہو مجھے اپنی پسند پہ غرور ہے کہ تمہیں کوئی ریجیکٹ کر ہی نہیں سکتا اسی طرح اپنے گھر والوں پر بھی یقین ہے کہ وہ تمہارے ساتھ کوئی زیادتی کر ہی نہیں سکتے۔ ارے میرے ابی جان تو باقاعدہ سر پہ چڑھاتے ہیں' بہوؤں کو۔"

"کوئی کھٹ پٹ' لڑائی جھگڑا..... کچھ نہیں ہوتا بھی۔" وہ متجسس تھی' جوائنٹ فیملی سسٹم کے تحت رہنے والے لمبے چوڑے خاندانوں کے درمیان جاری فسادات اکثر سنتی رہتی تھی۔

"اوں..... ہاں ہوتے تو ہیں۔" کچھ سوچ کر اس نے ایمانداری سے جواب دیا۔ "بلکہ شاید ہر روز ہوتے ہیں لیکن ویسے ہی جیسے' بہت سارے' بہن بھائی اکٹھے رہتے ہوں تو گرمی سردی ہو جایا کرتی ہے۔ لیکن بھائیوں میں یہ سب چلتا رہتا ہے۔ ہم روٹھتے ہیں' جھگڑتے ہیں' ایک دوسرے کے لیے پریشان بھی ہوتے ہیں' سب چلتا ہے۔"

"ہاں یہی تو زندگی کا حسن ہے۔ گلے شکوے کہاں نہیں ہوتے۔ بس انہیں انا کا مسئلہ نہیں بنانا چاہیے اور آپ کی بھابھیاں..... کیا وہ بھی اتنی ہی فراخ دل ہیں۔"

"ویسی ہی ہیں جیسے ہم بھائی ہیں' فراخ دل ہیں یا تنگ دل اس کا مجھے پتا نہیں۔ ایک ہماری بڑی بھابھی ہیں مہ لقا صاحبہ۔ تم نے لقا کبوتری کا سن رکھا ہو گا۔ بس وہی کلف ان کی گردن میں بھی ہے اور یہی اکڑ ہے جو انہیں نقصان پہنچا رہی ہے ورنہ وہ ایک آئیڈیل قسم کی بہو' ماں' بہن اور بھابھی ہیں بس بیوی اچھی نہیں بن پا رہیں اپنے شوہر کی نظر میں۔ عمر کا فرق اتنا زیادہ بھی نہیں اور آج زمانہ تو یہ کوئی مسئلہ ہی نہیں کسی عورت کے لیے کہ وہ اپنی عمر میں سے چند سال حذف کر کے اور زیادہ کم عمر دکھائی دے۔ لیکن اس میں شاید ان کی انا آڑے آئی ہے یا پھر گھر بھر کا بوجھ اور ذمہ داریاں تن تنہا نبھانے کا شوق راہ میں رکاوٹ ہے۔ اتنے سارے کام ذمے لے رکھے ہیں کہ خود پہ توجہ دینے کا وقت ہی کہاں بچتا ہو گا ان کے پاس۔ اس لحاظ سے دیکھوں تو کبھی کبھار بھیا کی تلخی جائز بھی لگنے لگتی ہے۔

دوسری بھابھی مہ پارہ ہیں' لقمان بھیا کی بیوی۔ شیخ چلی کا زنانہ روپ سمجھ لو۔ منصوبے بنوا لو ان سے جتنے مرضی اور ان پہ پانی بھی پھروا لو۔ آرام کرنا اور کرتے رہنا ان کا محبوب مشغلہ ہے' جس طرح خیالی پلاؤ پکانے میں ان کا کوئی ثانی نہیں' اسی طرح ساری بھابھیوں میں اولاد کے معاملے میں بھی وہ سب سے بڑھ کر خود کفیل ہیں اور دو بار تو اپنا ریکارڈ بہتر بنانے کی غرض سے انہوں نے جڑواں شاہکار بھی پیش کیے۔"

معطر کی ہنسی سن کر مہران کو تسلی ہوئی' وہ یہ سارا غائبانہ تعارف اس کا دھیان بٹانے کی غرض سے ہی تو کر رہا تھا۔

"اور ہاں یاد رہے کہ مہ پارہ بھابھی کا پارہ بہت جلد اور بہت معمولی باتوں پہ ہائی ہو جاتا ہے۔ اور تیسرے نمبر پہ ہیں بھابھی مہ جبیں۔ اپنے نام کے کچھ گن ان میں بھی پائے جاتے ہیں۔ کچھ اس کا زعم اور کچھ یہ کہ سرجن صاحب کی اہلیہ ہیں۔ میرے ان بھیا کو خدا نے اب تک اولاد کی نعمت سے بھی محروم رکھا ہوا ہے اور ہاں ان والی بھابھی کے لیے بھی ایک احتیاطی تدبیر ذہن نشین کر لو۔ انہیں تنقید' چاہے وہ جائز ہی کیوں نہ ہو پسند نہیں ہے۔ ان کے خیال میں نہ صرف وہ گھر کی خواتین میں سب سے زیادہ تعلیم یافتہ ہیں بلکہ خوش مزاج' خوش شکل' خوش لباس اور خوش ذوق بھی ہیں' ویسے سوچنے والی بات یہ ہے کہ اپنی ذات میں اتنے "خوش" جمع کر لینے کے بعد بھی نجانے کیوں وہ خوش نہیں رہتیں۔"

"اور لاسٹ نمبر والی بھابھی؟" معطر کو بھی اس ذکر سے دلچسپی ہو گئی تھی۔

"ہاں.... وہ تو میری جگری یار ہیں.... مہ ناز بھابھی.... یوں تو انہیں ناز پرور یا پھر نازک مزاج وغیرہ ہونا چاہیے تھا لیکن انہوں نے اپنے نام کا الٹا اثر لیا۔ ان کی زندگی کا مقصد بس دوسروں کے ناز نخرے اٹھانا ہی ہے۔ جتنا جبران اودھم کی اودھم لگانے میں ماہر' اتنا ہی یہ صلح کروانے میں ماحول سازگار بنائے رکھنے میں پیش پیش۔ میں تو کہتا ہوں کہ خدا نے جبران کی ذات کے ازالے کی صورت میں یہ بھابھی اس گھر میں بھیجی۔" وہ ہنسا' حالانکہ جبران بے چارہ کوئی اتنا بھی ماسی نہیں تھا لیکن سب کچھ بتاتے بتاتے مہران اپنے بارے میں یہ انکشاف کرنا تو بھول ہی گیا تھا کہ اس سے بڑھ کے مبالغہ آمیز کوئی اور نہیں۔

"تو میرے پیچھے پیچھے ہی لگا رہا کر' کسی دن ایسے ہی پیروں تلے آ کر کچلا جائے گا بدبخت۔" ابی جان کی شہد میں ڈوبی ڈانٹ دور سے ہی سنائی دے رہی تھی۔ ساتھ ہی ڈونالڈ کی منت بھری قیں قیں جیسے کہہ رہا ہو۔

"سانوں وی نال اپنے لے چل وے۔"

اسے ابی جان کے دائیں بائیں آگے پیچھے گھومنے کا بڑا شوق تھا لیکن اس کے اس شوق کی خاطر خواجہ صاحب کو چلنے میں اتنی احتیاط کرنی پڑتی گویا کیچڑ بھرے راستے پہ اینٹوں پہ پاؤں دھر دھر کے گزر رہے ہوں۔ اس وقت بھی چلنے کے اسی اسٹائل کی وجہ سے اور ڈونالڈ کو پڑنے والی جھاڑ سن کر مہران پہلے سے محتاط ہو گیا۔ اس نے معطر کو الوداعی کلمات کہے اور ریسیور رکھ کر بڑا مودب سا ہو کے خبرنامہ دیکھنے لگا۔ نیوز ریڈر اس وقت موسم کے حالات سنا رہا تھا۔

"یہ تم کیا لگا کر بیٹھے ہو جھوٹ کا پلندہ' وہ ذرا اسٹار پلس تو لگانا۔" دونوں پاؤں اوپر کھینچ کر خواجہ خلیق الرحمان بڑی فرصت کے ساتھ صوفے پہ جم گئے۔ وہ جز بز ہو کر رہ گیا۔ ESPN پہ میچ لگنے والا تھا اور وہ باہر جانے کا پروگرام کینسل کرتے ہوئے صرف یہ میچ دیکھنے کے لیے بیٹھا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ گھر میں صرف ایک ٹی وی تھا۔ بہوئیں اپنے جہیز میں بھی ٹی وی لے کر آئی تھیں لیکن ایک گھر میں بیٹیاں دینے کا فیض صاحب کو یہ فائدہ ہوا کہ ان کی سفید پوشی کا بڑی آسانی سے نباہ ہو گیا تھا۔ مہ لقا اور مہ پارہ کو ایک ہی ٹی وی ملا اور ایک ہی واشنگ مشین۔ کافی عرصہ دونوں بہنیں مل کر کپڑے دھوتی رہیں اب دو تین سالوں سے الگ الگ دھل رہے تھے لیکن ایک ہی مشین استعمال ہوتی' ایک دن مہ لقا لگا لیتیں' دوسرے دن مہ پارہ۔ یہی طریقہ ٹی وی دیکھنے کے لیے بھی رائج تھا۔

فرقان اور لقمان کو ملنے والے کمروں کے آگے مختصر سی لابی تھی اس میں ٹی وی رکھ دیا۔ مہ جبیں اور مہ ناز دونوں کو بھی ایک ہی ٹی وی' ایک ہی فریج اور ایک ہی واشنگ مشین میں نمٹا دیا گیا۔ بیڈ روم فرنیچر البتہ سب کو الگ ملے تھے۔ ان کے ذاتی استعمال کے فرنیچر کے علاوہ خواجہ صاحب نے مزید لینے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ تو یوں بھی جہیز کے خلاف تھے۔ ضرورت کا سب سامان گھر میں موجود تھا۔ بڑے لاؤنج میں ان کا اپنا ٹی وی رکھا

ہوا تھا جو کہ ان کے اور مہران کے درمیان وجہ تنازعہ تھا۔ انہیں لمبی لمبی قسطوں تک چلنے والے ڈرامے بہت پسند تھے اور وہ نیشنل جیوگرافکس' اسپورٹس چینل یا پھر کبھی کبھار HBO پہ کوئی فلم دیکھنا پسند کرتا جو کہ امی جان کو سخت ناگوار گزرتا اب بھی مسلسل بڑبڑا رہے تھے۔

"ایک تو کیبل والے کو بول بول کر اسٹار پلس کھلوایا ہے' کم بخت رات کو چند گھنٹوں کے لیے لگاتا ہے ورنہ اس وقت لگنے والے سارے ڈرامے سکون کے ساتھ دوپہر کو دیکھ لیا کروں' تمہارے ساتھ جخ جخ نہ کرنی پڑے۔"

"جب حکومت کی طرف سے بھارتی چینلز دیکھنے پہ پابندی ہے تو کیا ضرورت تھی کیبل آپریٹر کو ورغلانے کی۔ یہ ایک قانونی جرم ہے۔ آپ کا کیا جائے گا' کسی نے شکایت کر دی تو اس غریب کا لائسنس ضبط ہو جائے گا۔ وہ بیچارہ کیا کرے' آپ جیسے کسٹمرز دھمکیاں دے دے کر یہ سب کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔" اسے تو یوں بھی ان چینلز سے خار تھی' بند ہونے پر سکون کا سانس لیا تھا۔

"میری سمجھ سے باہر ہے' صرف ان چینلز کو بند کرنے سے کیا حاصل؟ یہ فرنگی اور یہودی کون سا مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں' ان کی اوٹ پٹانگ فلمیں تو بڑے شوق سے دیکھتے ہو؟" انہوں نے اعتراض کیا۔

"ان کی فلمیں زیادہ تر تصوراتی ہوتی ہیں جبکہ یہ ڈرامے سیدھا ہماری گھریلو زندگی پہ اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان ڈراموں کے ذریعے وہ ہمارے کلچر پہ وار کر رہے ہیں۔"

"خاک وار کر رہے ہیں' میں تو کہتا ہوں سدھار رہے ہیں۔ اپنے ڈرامے اٹھا کر دیکھ لو' اسمگلنگ' قتل وغارت' خاندانی دشمنیاں' جرگے اور ان کے ڈرامے سیدھی سادی گھریلو کہانیاں' بڑوں کا ادب کرنا سکھا رہے ہیں' مل جل کے رہنا سکھا رہے ہیں' لگاؤ تم جلدی سے۔" وہ بار بار گھڑی دیکھ رہے تھے۔

"ابھی آپ کے پسندیدہ ڈرامے میں کافی وقت ہے۔ وہی ہے ناں' "کیونکہ ساس بھی کبھی بہو تھی۔"

"اوہو تم لگاؤ تو سہی اس سے پہلے وہ "کہانی گھر گھر کی" لگتا ہے۔" ان کے بار بار کے اصرار پہ زچ آتے ہوئے اس نے اپنا ناپسندیدہ چینل لگا ہی دیا۔ اسکرین پہ بنارسی ساڑھی میں ملبوس ایک سانولی سی عورت فل میک اپ کے ساتھ ہنڈیا میں ڈوئی ہلا رہی تھی' اس نے ادھر ادھر دیکھا اور پلو میں چھپا کے رکھی زہر کی شیشی کھانے میں انڈیل دی۔

"ہائے ہائے' بیسی کٹنی' تیرا بیڑا ہی غرق۔" امی جان بھی افسوس سے ہاتھ ملتے آ بیٹھیں۔ انہیں ہر سین پہ بے لاگ تبصرہ اور وہ بھی لائیو کرنے کی عادت تھی۔

اگلے سین میں بڑی بھابھی کے کسی جذباتی سین کی داد دیتے ہوئے خواجہ صاحب نے جماہیاں لیتے مہران کو مخاطب کیا۔

"کیوں؟ یہ بے راہ روی سکھائی جا رہی ہے؟ یہ بھارتی ڈرامے خاندانوں کو مل بیٹھنا سکھا رہے ہیں' قربانیوں کا درس دے رہے ہیں۔" وہ بہت بڑے فین تھے ان سیریلز کے اور اب بیٹے کو بھی متفق کرنا چاہ رہے تھے۔ "میں یہ نہیں کہتا کہ ہندو معاشرہ ہم سے بہتر ہے لیکن جو باتیں ہمیں اپنانی چاہئیں' ہم سے سیکھ کر وہ اپنا چکے ہیں۔"

"جی نہیں' آپ کا تجزیہ اتنا درست بھی نہیں' الٹا ہم ان کا اثر لے رہے ہیں۔ یہ ان کا کلچر ہے وہی مہا بھارت والا اور رامائن والا۔ مہابھارت میں کیا ہے' خاندانی چپقلشوں اور فسادات سے بھری پڑی ہے' پانڈوں نے کیا کیا نہیں کیا اپنے ہی خون کے ساتھ اور وہ رامائن' سوتیلی ماں کی سازشیں' بھائیوں کے آپسی اختلافات' یہ تو حال ہے ان کی مذہبی کتابوں کا۔ صدیوں سے یہی کچھ کرتے چلے آ رہے ہیں۔ ایک چھت تلے رہنا ہے اور ایک دوسرے کی جڑیں کاٹنا ہیں۔ یہی سب کچھ ان ڈراموں میں ہوتا ہے۔ پورے گھرانے میں کوئی ایک فرد بیچارہ سا ہوتا ہے' باقی سب

اس پہ کر کس کے کھڑے ہوتے ہیں۔

یہ جو آپ کا پسندیدہ سیریل ہے۔ جس کے انتظار میں آپ بیٹھے ہیں۔ کئی کئی دیورانیاں' جیٹھانیاں آگے سے ان کی بھی بہوئیں' کئی نسلیں اکٹھی رہ رہی ہیں لیکن ہر قسط میں کیا دکھاتے ہیں' سازشیں' چغلیاں' عناد' بغض وغیرہ وغیرہ اس سے تو بہتر تھا کہ یہ سب الگ رہتے' کم از کم گناہوں سے تو بچتے۔" اس نے مفصل لیکچر دیا۔ ابی جان نے جوابی کھوری ڈالی۔

"برخوردار! میں سب سمجھتا ہوں یہ سب کہنے سے تمہارا مقصد کیا ہے۔ تم بھی اپنی نسل کے دیگر لوگوں کی طرح ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانے کے حق میں ہو۔ والدین کے حقوق سرے سے فراموش کر کے جوائنٹ فیملی سسٹم کے خلاف مظاہرے کرتی ہے یہ نسل۔ سب دین سے دوری کا نتیجہ ہے۔" یہ طعنہ وہ برداشت نہ کر سکا۔ مزید بحث سے احتراز کرتا ہوا وہ اٹھ کے اپنے کمرے میں جانے کو تھا کہ پھر سے جم گیا۔

"میں اور کسی کی بات نہیں کرتا لیکن کم از کم میں والدین کے حقوق سے بے بہرہ نہیں۔ حقوق العباد کی اسلام میں بڑی وضاحت ہے لیکن کہیں دیورانی کے حقوق' جیٹھانی کے فرائض' دیور کے حقوق اور بہو کے فرائض نہیں بیان ہوئے بلکہ میرے ناقص علم کے مطابق تو اسلام میں مشترکہ خاندانی نظام کی گنجائش ہی نہیں۔ یہ وضاحت کر دوں کہ میں والدین کے ساتھ رہنے کو مشترکہ خاندانی نظام نہیں سمجھتا' وہ تو خاندان کا ہی ایک حصہ ہیں بلکہ بنیاد' جب دو سگے بھائی یا دو سگی بہنیں شادی کر کے گھر بساتے ہیں' اپنے اپنے گھروں کی بنیاد رکھتے ہیں' ان کے بال بچے ان کا خاندان ہوتے ہیں اور ہر شخص اپنے خاندان کی کفالت کا خود ذمہ دار ہے۔

محمود انکل سعودیہ اٹھارہ سال رہ کر آئے ہیں' وہ بتاتے ہیں وہاں بیٹے کی شادی کرتے ہی الگ کر دیا جاتا ہے۔ کیونکہ اسلام میں سسر' جیٹھ' دیور سب نامحرم ہیں اور عورت کو ان سے پردے کی ہدایت ہے اس کے ساتھ ساتھ گھر کی چار دیواری میں عورت کو پردے سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے اس کا کیا مطلب؟ ظاہر ہے ایک شخص کا فرض ہے کہ وہ اپنی بیوی کو نامحرموں سے الگ' خود مختار گھر مہیا کرے۔ سارے عرب ممالک میں بھی یہی سسٹم ہے۔ وہاں کبھی ساس بہو وغیرہ کا مسئلہ نہیں اٹھا۔"

"دین ہم سب کا بے شک ایک ہی ہے لیکن کچھ اثر کلچر کا بھی تو ہوتا ہے۔ عربوں کی یہی معاشرت......" خواجہ صاحب اس کے مدلل بیان کے باوجود ہار ماننے پہ تیار نہ تھے۔

"دیکھا...... دیکھا...... بات معاشرت کی آ ہی گئی۔ یعنی آپ تسلیم کرتے ہیں کہ اس بات کا تعلق مذہب سے نہیں معاشرہ سے ہے اور رہا کلچر تو سب جانتے ہیں' ہندوؤں کے ساتھ صدیوں رہنے کے بعد ان کا کلچر ہم میں رچ بس گیا ہے۔ رہی سہی کسر سیٹلائٹ نے پوری کر دی۔ جن رسموں سے نئی نسل نا آشنا تھی وہ بھی رائج ہو گئیں۔ میں تو ان ڈراموں میں دکھائے جانے والے کلچر اور رجحان کی بالکل بھی حوصلہ افزائی نہیں کر سکتا۔ یہ انسان کو کھل کر جینے اور نڈر ہو کر جینے کے بجائے ایک دوسرے کے ساتھ زبردستی منسلک رہ کر جینا سکھا رہے ہیں۔ لڑو' مرو' سب اکٹھے رہو۔" اس نے بات مکمل کر کے ابی جان کی طرف دیکھا' خلاف توقع وہ خاموش بیٹھے تھے۔ چہرے کی چمک ماند تھی اور نظریں تھکی تھکی۔

"شاید جوش جذبات میں آ کر میں زیادہ ہی بول گیا۔" اسے افسوس ہوا۔ سارے بھائیوں میں بس وہی ان کا سر چڑھا تھا اور کبھی کبھار بحث و مباحثہ میں حد سے بڑھ بھی جاتا تھا۔ اب بھی اس کا مقصد انہیں چپ کرانا نہیں تھا نہ ہی وہ خاندانی سسٹم کا اس قدر مخالف تھا وہ تو بس یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ ان کی سوچ انتہا پسندانہ ہے' زور زبردستی کے ذریعے' ان چاہے بندھنوں میں باندھ کر' اولاد کی مرضی اور خواہش کو پس پشت ڈال کر بنائے گئے گھروندے اتنے بابرکت نہیں ہوتے۔ بس زور بیان میں کچھ زیادہ ہی شدت آ گئی۔ شفیقہ خاتون نے بھی بیٹے کو ملامتی نظروں سے نوازا۔

"تو تم مل کے رہنا نہیں چاہتے' کھل کر جینا چاہتے ہو' فیئر ہو کر۔۔۔ ہم سب تو بددیانت ہیں۔ اکٹھے رہ کے ایک دوسرے کی جڑیں کاٹ رہے ہیں۔ سازشی ماحول ہے اس گھر کا۔۔۔ ہوں۔" انہوں نے جلد ہی اپنی کیفیت پہ قابو پالیا اور کڑک دار لہجے میں بیٹے سے استفسار کیا۔ اس کی ساری طراری ہوا ہو گئی' ابی کے اس موڈ کے آگے اس کی ایک نہ چلتی تھی۔۔۔ بے چارہ گھگھیانے لگا۔

"ابی جان۔۔۔ میرا مطلب یہ تو نہ تھا۔۔۔ میں تو بس۔۔۔ بس مثال دے رہا تھا۔۔۔ جنرل سی بات ہے۔"

"اپنی مثالیں سنبھال کر رکھو۔ تمہاری تقریروں سے میرا ارادہ متزلزل نہیں ہونے والا۔ میں نے جو سوچ رکھا ہے' خدا کے فضل سے ہو کر رہے گا۔ میں ماہ نور کی برسی کے انتظار میں تھا کہ گزر جائے تو بات بڑھاؤں لیکن تمہارے ارادے ٹھیک نہیں برخوردار۔۔۔ مجھے عملی قدم جلد اٹھانا ہو گا۔۔۔ بیگم۔۔۔ میرا کرتا شلوار تو نکالنا۔" ماں بیٹا دونوں گھبرا گئے۔

"کیا کر رہے ہیں خواجہ جی' رات بہت ہو گئی ہے۔ ایسے وقت کسی کے گھر جانا اور وہ بھی اس مقصد سے۔۔۔ کچھ نامناسب ہے۔" امی جان نے بات بنائی۔ انہوں نے بھی وال کلاک پہ ایک نظر ڈالی اور ٹھنڈے ہو کر بیٹھ گئے۔

"ہاں یہ تو ہے لیکن کل صبح دس بجے مجھے ہر حال میں وہاں جانا ہے۔ فرقان کو بتا دینا مجھے لیتا ہوا جائے۔"

♥ ♡ ♡ ♥

صبح مہران کی بے چینی اس کے ہر عمل سے ہویدا تھی۔ مہ ناز بھابھی کی تسلی تشفی کے باوجود اس کا بس نہ چل رہا تھا کسی طرح ابی کو انکل نواز کے گھر جانے سے روک دے۔ اوپر سے ابی کی تیاری اور اس کی جان جلا رہی تھی۔ سفید دودھ کلف زدہ کرتا شلوار کے ساتھ چمچماتی سیاہ چپل اور تو اور کلائی میں وہ گولڈن اسٹریپ والی گھڑی بھی باندھ رکھی تھی جو کہ تقریبات اور اہم مواقع کے لیے مخصوص تھی۔ انہیں ڈائننگ چیئر گھسیٹ کر احتیاط سے کرتے کا دامن اٹھا کے بیٹھتے دیکھا تو اس نے اپنی گھبراہٹ چھپانے کے لیے اخبار پھیلا کر چہرے کے آگے کر لیا لیکن شاید ان سے یہ انداز برداشت نہ ہوا۔ اخبار کی پشت پہ ٹھک ٹھک ہوتے سن کر بادل نخواستہ اپنے چہرے کے تاثرات ٹھکانے پہ لاتے ہوئے اس نے اخبار نیچے کیا۔

"جی ابی!" حتی الامکان برخورداری لہجے میں پیدا کرتے ہوئے جیسے ہی نظر اٹھائی' ڈونالڈ ڈائننگ ٹیبل پہ چڑھا اپنی چونچ سے اخبار پہ دستکیں دے رہا تھا۔ ابی کے آگے پراٹھا رکھتی مہ ناز بھابھی کی ہنسی چھوٹ گئی۔ انہوں نے آملیٹ کا تنقیدی جائزہ چھوڑ کر بہو کو گھورا۔

"تمہیں کیا ہوا؟"

"جج۔۔۔ جی کچھ نہیں۔"

"اور تم۔۔۔" اب سامنے خجل سے بیٹھے بیٹے کو گھورا۔ "تم کچھ کہہ رہے تھے؟"

"نہیں۔۔۔ میں تو کچھ بھی نہیں۔۔۔" آئیں بائیں شائیں کرتا وہ ڈونالڈ کو کینہ توز نظروں سے گھورنے لگا جس کی مداخلت بے جا نے یہ چویشن پیدا کی تھی۔

"کیا کچھ نہیں۔۔۔ ابھی ابھی تو تم نے مجھے پکارا۔"

"میں سمجھا تھا آپ نے مجھے پکارا ہے۔" اس نے بمشکل بہانہ گھڑا' اب کیا بتاتا بے خیالی میں وہ اس بیٹھے کو۔۔۔

"سبحان اللہ کیا عالم بے خودی ہے' خیر میاں ہمیں بھی ہوش ٹھکانے لگانے آتے ہیں۔" پراٹھے اور آملیٹ کے ساتھ انصاف کرتے ہوئے انہوں نے کہا پھر فرقان کو ناشتے سے اٹھ کر بریف کیس سنبھالتے دیکھ کر کہنے لگے۔

"رکو بھتیجے' مجھے بھی تمہارے ساتھ چلنا ہے۔"

"لیکن گرمیوں میں تو آپ گھر پہ ہی رہا کرتے ہیں۔" لفظ 'بھتیجے' پر بھیا جی بھر کے بدمزہ ہوئے۔

"تو کوئی آئین تو نہیں بن گیا کہ سال کے آٹھ مہینے میں نظر بند ہی رہا کروں گا اور بالفرض ایسا ہے بھی تو

"آئین میں ترمیم کی گنجائش تو بہرحال رہتی ہے۔"

(یہ ابی بھی کس قدر بحث کرنے لگ گئے ہیں) مہران نے غور کیا۔

"ابی جان! مجھے بھلا کیا اعتراض ہے آپ کے جانے پر۔ ویسے بھی مجھے آج ایک میٹنگ کے لیے قصور جانا ہے 'اچھا ہی ہے کہ آفس خالی نہیں رہے گا' آیئے آپ کو ڈراپ کرتا جاتا ہوں۔"

"آفس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں' سالوں پرکھ لینے کے بعد ہی یہ عملہ تمہارے حوالے کیا تھا' بے شک بے فکر ہو کر کہیں بھی چلے جایا کرو۔ مجھے تو تمہاری سسرال جانا ہے۔"

"وہاں پہ کیا..." وہ چونکے پھر کچھ خیال آیا۔

"اچھا... اچھا... لیکن اتنی صبح... خیر... میرے لیے تو مشکل ہے۔ آفس تو رستے میں پڑتا ہے لیکن وہاں آپ کو ڈراپ کر کے پھر قصور جانے کے لیے نکلنے میں میرا اور ایک گھنٹہ ضائع ہو جائے گا۔ شہر کے دوسرے کونے میں ڈھونڈ نکالا تھا آپ نے میرا سسرال۔"

"جبران سے کہہ دیں' آپ کو چھوڑ آئے۔" بڑی عجلت میں کہتے وہ سلام کرتے ہی باہر کی طرف بھاگے۔

جبران نے خاصے معنی خیز انداز میں بھیا کو دیکھا۔ ابی بھی بڑے بیٹے کے صاف جواب پہ پہلے حیران اور پھر غضب ناک ہو گئے لیکن اتنی دیر میں وہ ان کی پہنچ سے نکل چکے تھے۔

"دیکھا... دیکھا ہے... اس نیتے کو... کیسے منہ اٹھا کے نکل گیا... شادی سے پہلے اتنی ہی افراتفری سے سسرال جانے کی ہوتی تھی اب مجھے جانا ہے تو سسرال دور پڑنے لگا ہے۔"

"نئے نئے سسرال کی اور بات ہوتی ہے ابی!" جبران نے پُراسرار انداز میں کہا۔ "نیا سسرال دور نہیں پڑتا۔ بھلے شہر کے دوسرے کونے پہ ہو یا پھر شہر سے باہر۔"

"کیا مطلب؟" ٹیبل پہ موجود تینوں نفوس اس کے سادہ الفاظ کے پیچھے چھپے مفہوم کو بھانپ کر بولے۔

ویسے بھی جبران سادہ بات تو کر ہی نہیں سکتا تھا۔

"مطلب یہ ابی کہ قصور کے آئے روز کے پھیرے کوئی اور کہانی سنا رہے ہیں۔"

"تم نہ باز آنا ہوائیاں چھوڑنے سے۔ ارے قصور میں تو ہمارے کئی کسٹمرز ہیں۔ بزنس ڈیلنگز کے لیے جانا ہی پڑتا ہے۔ میں خود بھی جاتا رہتا تھا۔"

"لیکن آپ ہفتے میں دو دن تو وہاں نہیں گزارتے تھے اور آپ یہ کیوں بھول جاتے ہیں ابی کہ اس قسم کی ڈیلنگز میرا کام ہے۔ بھیا کے ذمے تو آپ نے آفس کے اندرونی معاملات لگا رکھے ہیں۔" جبران کا اٹھایا نکتہ ٹھیک سے خواجہ خلیق الرحمان کے دل پہ لگا۔ انہیں سوچ میں پڑتا دیکھ کر وہ اور پُرجوش ہو گیا۔

"میرے علم میں آج تک ان کی ایسی کوئی ڈیلنگ یا میٹنگ نہیں آئی جس کا ذکر کر کے وہ سارا سارا دن آفس سے غائب رہتے ہیں۔"

"ہوں... ہے تو یہ میسنا ہی... بچپن کی عادت ہے چپ چپاتے کارنامے انجام دینے کی۔ جتنا زمین سے باہر ہے اتنا ہی اندر... خیر تم پتا لگاؤ اور خبردار کوئی شیطانی نہیں۔ تمہیں ٹھیک ٹھاک صاف دال میں بھی کالا دانہ ڈالنے کی عادت ہے۔" ہمیشہ کے وہمی اور شکی طبیعت رکھنے والے خواجہ صاحب کھٹک ضرور گئے تھے لیکن جبران کی لگائی بجھائی کی عادت سے بھی واقف تھے اس لیے تنبیہہ کرنا نہ بھولے۔

♥ ♡ ♡ ♥

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں خواجہ صاحب؟"

شیخ نذیر حسین صرف اتنا ہی کہہ پائے تھے لیکن ان کے چہرے کے تاثرات پکار پکار کر کہہ رہے تھے۔

"آپ کا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟"

"آپ سٹھیا تو نہیں گئے؟"

"آپ پاگل تو نہیں ہو گئے ہیں؟"

"کیا آپ کی مت ماری گئی ہے؟"

"کہیں آپ کو باؤلے کتے نے تو نہیں کاٹ لیا؟"

ان کے چہرے پہ ان سارے سوالوں کی جھلک اتنی واضح تھی کہ خود خواجہ صاحب گڑبڑا گئے۔

"بھئی صاف صاف الفاظ میں کہہ رہا ہوں کہ ماہ نور کی جگہ میں ماہ گل کو دینا چاہتا ہوں۔ یعنی اپنے چھوٹے بیٹے کے لیے اب بھی آپ ہی کے گھرانے کے آگے طلب گار ہوں۔"

"یہ تو آپ کی محبت ہے خواجہ صاحب....." وہ متوحش تھے۔ "لیکن دیکھیں جی محبت اس قدر اندھی بھی نہیں ہونا چاہیے۔"

"کیوں؟ کیا مطلب؟"

"مطلب تو صاف ظاہر ہے۔ ایک تو مہران بیٹے اور ماہ گل کی عمر میں آدھو آدھ (دگنا) کا فرق اور دوسرا خود ماہ گل کی عمر..... وہ تو ابھی ساتویں جماعت چڑھی ہے، گڑیوں سے کھیلنے کی عمر ہے اس کی۔ شادی تو بہت دور کی بات ہے۔"

"مثلاً..... کتنی دور کی؟" وہ تحمل سے پوچھنے لگے۔

"تقریباً" آٹھ، دس سال تک۔"

"تو ٹھیک ہے، ہم انتظار کرلیں گے، آٹھ چھوڑیں بارہ سال تک کرلیں۔ اب تو آپ کا یہ اعتراض دور ہونا چاہیے کہ اس کی گڑیوں سے کھیلنے کی عمر ہے۔ بارہ سال بعد تو یقیناً" آپ اس کا یہ شوق چھڑوا ہی چکے ہوں گے۔" ہلکے پھلکے انداز میں اپنی دانست میں انہوں نے بڑا نفیس مذاق فرمایا تھا لیکن شیخ صاحب کی سنجیدگی ہنوز برقرار تھی۔

"آپ نے میرے دوسرے اعتراض پہ غور نہیں کیا خواجہ صاحب۔ مہران اور ماہ گل کی عمروں کے درمیان موجود کئی سال..... یہ فرق بارہ سال بعد بھی جوں کا توں برقرار رہے گا۔ آج مہران کے مقابل ماہ گل کا جوڑ ایک بچکانہ سا خیال لگ رہا ہے تو کل ماہ گل کے سامنے مہران مضحکہ خیز لگے گا۔ دس سال بعد آپ کا بیٹا چالیس سال کا ہو رہا ہو گا۔ میرا اعتراض تو تب بھی یہی ہو گا۔"

"یعنی..... آپ کو یہ رشتہ..... آپ انکار کر رہے ہیں۔" بڑی بے یقینی سے کہتے ہوئے انہوں نے شکست خوردہ انداز میں پوچھا۔ لہجے میں شکستگی اور آنکھوں میں حسرت اتنی نمایاں تھی کہ بر ہم سے شیخ نذیر حسین بھی پسیج گئے۔ وہ خواجہ صاحب کی اس خواہش کے پس منظر سے بخوبی آگاہ تھے۔ پہلے سے ہی جانتے تھے کہ اپنے بیٹوں کے لیے ان کی بیٹیوں کا انتخاب کرنے کی وجہ کیا تھی لیکن یہ تو ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ اپنی اس خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وہ اس حد تک آگے چلے جائیں گے۔ ان کا مقصد نیک سہی لیکن یہ فیصلہ انتہا پسندانہ تھا۔

"میں معذرت کر رہا ہوں..... آپ سے اتنے برسوں کے تعلقات ہیں۔ اگرچہ آپ سے رشتہ بڑا نازک سا ہے، بیٹیوں کا سمدھیانہ وابستہ ہے آپ سے لیکن سالوں پرانی دوستی کے ناتے اتنا کہنے کی ہمت کروں گا کہ ذرا جذبات سے باہر نکل کر حقیقت کی دنیا میں آکے دیکھیں۔ آپ نے کس قدر آرام سے کہہ دیا کہ آٹھ تو کیا بارہ سال انتظار کرلیں گے۔ آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں خواجہ صاحب؟ یہ انتظار آپ کو نہیں کرنا، آپ کے بیٹے کو کرنا ہے۔ ہمیں شکر کرنا چاہیے۔ اس دور میں بھی ہماری اولادوں نے اپنے مستقبل کی ڈوریں ہمارے ہاتھوں میں تھما رکھی ہیں۔ لیکن اس اختیار کا ناجائز فائدہ نہیں اٹھانا چاہیے۔ نیک، تابعدار اولاد خدا کا عطیہ ہوتی ہے، کیا اس عطیے کو صرف اپنی ذاتی خواہشوں کی تکمیل کے لیے ضائع کر دینا چاہیے؟ اس بارے میں ضرور سوچیے۔"

وہ خواجہ صاحب پہ سوچ کے کئی در وا کر گئے وہ مہران کو اچھی طرح جانتے تھے اور ماہ گل سے اس کی انسیت سے بھی واقف تھے..... اس لیے صرف انکار پہ اکتفا نہ کیا بلکہ دوستی کا استحقاق استعمال کرتے ہوئے تھوڑی بہت گرد بھی صاف کی، جو خواجہ خلیق الرحمان نے اپنی خود پسندی اور اختیار پسندی کے زعم میں دل و دماغ پہ پھیلا رکھی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

اگلے چند روز خاموشی سے گزرے۔ اگرچہ خواجہ خلیق الرحمان نے آنے کے بعد کوئی بات کی نہ کسی نے کریدنا چاہا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ سب

لاعلم تھے۔ وہ جہاں سے ہو کر آ رہے تھے وہاں کی "چار کھڑکیاں" خواجہ ہاؤس میں کھلتی تھیں جنہوں نے ایک ایک منظر سب کو دکھا دیا، لیکن مصلحتاً "سب خاموش رہے۔

مہران کو جہاں اس سلسلے کے ختم ہونے کا احساس اطمینان بخش رہا تھا وہاں ابی کی خاموشی اور اضمحلال خلش میں مبتلا کیے دے رہا تھا۔ شفیقہ خاتون بھی ہمدردی سے شوہر کو دیکھ کے رہ جاتیں۔ سب چپ چاپ منتظر تھے کہ کب ان کے لبوں کا قفل ٹوٹے۔

آخر تیسرے روز شام کی چائے پہ وہ باہر نکلے۔ مہ لقا بھابھی جوان کے لیے ٹرے میں چائے اور جلیبی رکھ رہی تھیں، انہیں لان میں آتا دیکھ کر جھٹ پٹ ٹرے خالی کرنے لگیں۔ مہ ناز بھابھی اندر امی جان کو اطلاع دینے بھاگیں۔ وہ بھی ان کی آمد کا سنتے ہی وظیفہ مختصر کرنے لگیں۔ ابی کے بیٹھتے ہی اسکولی ڈوگیٹ کی رکھوالی چھوڑ کر کیاریوں کے نزدیک آبیٹھا اور انہیں دیکھ دیکھ کر دم ہلانے لگا۔

باگڑو نے بھی جست لگائی اور ان کی گود میں براجمان ہو گیا۔ پورے تین روز بعد وہ کمرے سے نکلے تھے۔ چائے کے دوران ہی امی بھی تسبیح پڑھتی ان کے برابر بیٹھ گئیں اور مہ جبیں بھابھی جو تھکن کی وجہ سے اکثر چائے اپنے کمرے میں منگوالیا کرتیں، اپنا کپ ہاتھ میں تھامے لان میں نکل آئیں۔ مہران ٹٹولتی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھنے لگا لیکن کوئی بھی اندازہ لگانے سے قاصر تھا۔ ان کے چہرے پہ ایک سپاٹ سا تاثر تھا۔

"دوو، دوو!" رضی بھاگتا ہوا آیا اور پیچھے سے اپنے دادا کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

"دوو! آپ بیمار ہیں؟"

"نہیں بیٹا۔" انہوں نے پوتے کا ماتھا چوما۔

"تو پھر آپ دن رات آرام کیوں کرتے رہتے تھے۔ میں جب بھی آپ کے پاس جانے لگتا تھا، بڑی ماما روک دیتیں کہ دوو کی طبیعت ٹھیک نہیں۔" وہ تائی کو بڑی ماما کہتا تھا۔

"انہیں کیا پتا کہ آپ کے دوو کی طبیعت اچھی ہے یا بری۔ آپ آجاتے میرے پاس۔ آپ ہی تو میرے ڈاکٹر ہو۔" انہوں نے باگڑو کی چھٹی کرائی اور رضی کو گود میں بٹھالیا۔

"اور میں نرس۔" آئینہ نے چھوٹا دوپٹہ سر پہ جمایا۔ وہ ابھی ابھی قاری صاحب سے سپارہ پڑھ کے آرہی تھی۔

بچوں کی ہلکی پھلکی باتوں نے وہ کر دکھایا جو وہ سب کرنا چاہ رہے تھے مگر کر نہیں پا رہے تھے۔ کچھ ہی دیر بعد خواجہ صاحب پہلے جیسے موڈ میں آگئے اور سب نے اطمینان کی سانس لی۔ لیکن پھر بھی کسی کو اندازہ نہ تھا کہ وہ اتنی جلدی یہ ذکر چھیڑ دیں گے۔ اس لیے اس وقت سب ہی دنگ سے رہ گئے جب رات کے کھانے سرسری سے انداز میں انہوں نے بڑی بہو کو مخاطب کر کے پوچھا۔

"مہ لقا! چھوٹے سے پوچھو، کون ہے وہ لڑکی، کس خاندان سے ہے، ذات برادری، اتا پتا سب کچھ۔۔۔۔"

"ابی۔۔۔۔" کچھ توقف کے بعد مہران نے کھنکھار کر کہنے کی ہمت کی۔

"ابی۔۔۔۔ وہ راحت کی کزن ہے۔"

"راحت۔۔۔۔ راحت کون؟"

"جی وہ راحت، اسی کے گھر میں پہلی بار۔۔۔۔ میرا مطلب ہے، وہیں دیکھا تھا میں نے اسے۔"

"بہت خوب۔" خواجہ صاحب کا چہرہ تمتمانے لگا۔

"مجھے معلوم نہ تھا، آپ اتنے دل پھینک ہیں۔ پہلے محترمہ راحت سے راہ و رسم بڑھائی پھر ان کی کزن پہ فدا ہو گئے۔ میں پوچھتا ہوں اس بیچاری کا کیا ہو گا، کیا گزرے گی اس بدنصیب پہ جسے چھوڑ کر اب تم اس کی کزن پہ لٹو ہو گئے ہو۔"

"کون بے چاری، کون بدنصیب؟" وہ ہونق تھا۔

"وہی راحت، جو اس سے پہلے تمہاری منظورِ نظر تھی۔"

"لاحول ولا۔۔۔۔" اس کا جی مکدر ہو گیا۔ "راحت میرا اتنا دوست ہے ابی! کئی بار یہاں آیا ہے بلکہ اس کی

بہن کی شادی کی دعوت دینے پوری فیملی بھی آئی تھی۔ ای آپ کو تو یاد ہے ناں؟؟"

"ہاں ہاں، بڑی بھلی خاتون ہیں۔"

"ان ہی کی بھانجی ہے معطر۔"

"معطر..... واہ بڑا مہکا مہکا سا تروتازہ سا نام ہے۔" چھوٹی بھابھی نام پہ ہی خوش ہو گئیں۔

"اب تروتازہ ہو یا باسی، کیا فرق پڑتا ہے۔ چلو میاں! تم نے جو منتیں مان رکھی تھیں، پوری ہو گئیں۔ نر کے اچھے کے چڑھاوے چڑھا دینا شکرانے کے۔ میری مرضی سے تو ماہ نور تھی نہ ہی ماہ گل۔ میں تو صرف یہ کڑی خون کے رشتوں سے جوڑنا چاہتا تھا لیکن جب یہ نہیں ہو سکا تو پھر معطر آئے یا چلتر، ایک ہی بات ہے۔" بڑی بے نیازی کے ساتھ انہوں نے مہران پہ جتا دیا کہ وہ بادل نخواستہ اس کی پسند کو اپنانے پہ تیار ہو رہے ہیں۔ اس نے بھی ان کا یہ احسان دل و جان سے اپنے سر لے لیا۔

♥ ♥ ♥

اس سے اگلا مرحلہ بغیر کسی بدمزگی کے طے ہو گیا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ آناً "فاناً" طے ہو گیا۔ شفیقہ خاتون راحت کی والدہ کے توسط سے ان ہی کی ہمراہی میں یہ رشتہ لے کر گئی تھیں، اس لیے روایتی تکلفات کا دور نہ چلا۔ لڑکی کے ماموں نے ضمانت دی اور بغیر کسی پس و پیش کے میجر ہمایوں جعفر نے یہ رشتہ قبول کر لیا۔ اب تک خواجہ خلیق الرحمان کے کسی رویے سے نہ لگ رہا تھا کہ وہ اس رشتے پہ دل و جان سے راضی ہیں۔ مہران ان کے چہرے پہ حقیقی مسرت تلاشتا ہی رہا لیکن وہاں فقط اندیشے تھے..... ہراس تھا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اس نے خود کو تسلی دی۔ معطر پہ پورا بھروسہ تھا کہ وہ جلد ہی ابی کو اس خود ساختہ خوف سے آزاد کر دے گی۔ اسے بس آنے والے وقت کا انتظار تھا۔ وقت جو خود سب ثابت کر دے گا لیکن اس سے پہلے جبران نے ثابت کر دیا کہ.....

ہوا یوں کہ ابی تو اسے فرقان کی سرگرمیوں پہ نظر رکھنے کا کہہ کر خود بھول بھال گئے بلکہ تازہ رونما ہونے والے واقعات نے یہ بات ان کے ذہن سے یکسر مٹا ڈالی۔ دیگر افراد بھی اس سرسری سے ذکر کو یاد نہ رکھ پائے، یوں بھی جبران کی تو عادت تھی ادھر ادھر کی پھیلانا..... لیکن اب..... اب اس نے جس ذوق و شوق سے یہ دھماکا کیا اس نے سب ہی کو ہلا کر رکھ دیا، ویسے بھی وہ لاکھ گپی ہو۔ اتنی بڑی بات بغیر پر کے تو نہیں اڑا سکتا تھا۔ سب کو یقین تھا کہ اگر جبران نے مفروضات کا پہاڑ کھڑا بھی کیا ہو گا تو کہیں نہ کہیں تہ میں رائی ضرور ہو گی اور اس ذرے کی چبھن ہی اتنی شدید تھی کہ سب بے چین ہو گئے۔ سب سے بری حالت بڑی بھابھی کی تھی، وہ جلے پیر کی بلی کی طرح شوہر کے انتظار میں پھرنے لگیں ان کی بھنچی ہوئی مٹھیوں، کپکپاتے لبوں، شرر لپکاتی نگاہوں سے سب کو اندازہ ہو رہا تھا کہ آج بڑے بھیا کی کیا درگت بنے گی اور ان سے بھی بڑھ کے تلملا رہے تھے خواجہ صاحب۔ مہران بھی باقی سب کی طرح حیرت زدہ تو تھا لیکن دم بخود نہیں کیونکہ نجانے کیوں..... بھیا کی کسی ادا پہ وہ پہلے ہی کھٹک سا گیا تھا۔

بھابھی سے انہیں لاتعلق دیکھنا تو معمول کی بات تھی لیکن اب کھلم کھلا بیزاری کا اظہار یہ اعلان بہت پہلے کر گیا تھا کہ اب ان کی نظروں میں کوئی اور جچنے لگا ہے۔

"بڑے بھیا قصور میں سب سے فیکٹری کی سپروائزر فریدہ مقبول عرف فیری میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ موصوفہ بیوہ مشہور ہیں۔ یہ الگ بات کہ عمر چھبیس ستائیس سال سے اوپر نہیں لگتی اور رنگ ڈھنگ سولہ سترہ سال والی دوشیزاؤں والے ہیں۔ ایک معمولی سی پوسٹ پہ چھ ہزار تنخواہ کے ساتھ ٹھاٹ باٹھ دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں جو اس بات کا اشارا ہے کہ بھیا بھیا کی طرح ہی کچھ اور قدر دان خاصا نوازتے رہتے ہیں محترمہ فیری کو ہفتے میں دو یا پھر ایک چکر تو ضرور ہی لگتا ہے بھیا کا قصور میں۔"

یہ انکشاف کر دینے کے بعد وہ ایک طرف بیٹھا

گنڈیریاں چوسنے لگا۔ مہ جبیں بھابھی شانے پہ بیگ لٹکائے جانے کو تیار تھیں اب ٹانگ پہ ٹانگ چڑھا کے صوفے پر براجمان ہو گئیں، مہ پارہ بھابھی اپنے اسٹوڈنٹس کو چھ کا پہاڑہ رٹنے کے لیے دے وہ کے اسٹک سمیت ہی آکر ان کے برابر ٹک گئیں۔ دونوں نے پہلی فرصت میں فون کر کے اپنے اپنے میاؤں کو بھی بلوا لیا تھا تاکہ وہ اس تھرل سے محروم نہ رہیں۔

مہ ناز تاسف سے اپنے کھلنڈرے مزاج شوہر کو تکنے لگیں جسے صورتحال کی سنگینی کا احساس تھا نہ معاملے کی نزاکت کا۔ اگر یہ بات سچ بھی تھی تب بھی اسے یوں سرعام بھانڈا پھوڑنے کے بجائے صرف ابی کو مطلع کرنا چاہیے تھا، وہ خود ہی اپنے ڈھنگ سے اسے نمٹا لیتے۔ اس طرح بات کھل جانے کا خوف بھی اگر بڑے بھیا کے سر سے اتر گیا تو وہ مزید دلیر ہو جائیں گے۔

لقمان اور عمران تقریباً آگے پیچھے گھر میں داخل ہوئے۔ دونوں کو اصل قصہ سننے کی بے تابی تھی اور دونوں کی مشترکہ تسلی و تشفی مہ پارہ بھابھی نے بصد شوق احسن طریقے سے کرائی۔ ابھی وہ کچھ تفصیلات سے فیض یاب ہو ہی رہے تھے کہ بڑے بھیا کی آمد ہوئی۔ سب الرٹ ہو کے بیٹھ گئے، بڑی بھابھی کے متحرک قدم تھم گئے۔ ابی نے بھی مونچھوں کو تاؤ دینے کا شغل ترک کیا۔ فقط امی جان تھیں جن کی سرگرمی پہ کوئی فرق نہ پڑا۔ وہ حسب معمول چپ چاپ تسبیح کے دانے گرا رہی تھیں اب اور زیادہ خشوع و خضوع سے دانے گرانے لگیں۔ ہال کے سناٹے میں پچھلے برآمدے سے آتی آدھ درجن بچوں کی آواز بیک گراؤنڈ اسکور کا کام دے رہی تھی۔

چھ دونی بارہ
چھ تیا اٹھارہ

ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے بھیا کا پہلا قدم جیسے ہی اندر پڑا تمام اہل خانہ کو ایک ہی سے تاثرات سجائے دیکھ کر تھم سا گیا۔

"السلام و... علیکم..." الجھے ہوئے سے انداز میں سلام کرتے ہوئے انہوں نے بھرے نظروں ہی نظروں میں سب کو جانچا۔

"اوہو... میں تو بھول ہی گیا، آج اپنے مہو کی تاریخ رکھنے جانا تھا ناں... چچ چچ... آپ سب شاید میرے ہی انتظار میں بیٹھے ہیں۔ بس دس منٹ اور... میں شاور لے کر چینج کر لیتا ہوں۔ واقعی بہت دیر ہو گئی لیکن آپ سب بھی تو کمال کرتے ہیں، مصروفیت میں میرے ذہن سے یہ بات نکل گئی تھی تو آپ میرے موبائل پہ رنگ کر لیتے۔"

بڑی عجلت کے ساتھ کہتے وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگے کہ ابی کی سرد آواز نے ان کے قدم اور اعصاب دونوں منجمد کر دیے۔

"صاحبزادے! پہلی بات تو یہ کہ مہو کے دن رکھنے آج نہیں اتوار کو جانا ہے اور دوسری بات یہ کہ جب تم بی بی فریدہ کے ساتھ ہوتے ہو تو اپنا موبائل بند رکھتے ہو، ایسے میں اگر تمہارا باپ بھی مر جائے تو تمہیں اس کی اطلاع نہ ہو سکے گی اور ہونی بھی نہیں چاہیے، مہینے بھر کی جدائی کے بعد تم سو جتنوں کے ساتھ بیوی کی وفاؤں کا مذاق اڑاتے ہوئے، جوان ہوتی اولاد کے سامنے ڈھٹائی دکھاتے ہوئے اور بوڑھے باپ کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہوئے اس سے ملنے جاتے ہو، کسی کو کیا حق کہ وہ تمہاری خلوت میں دخل دے سکے۔"

خواجہ فرقان ایک جھٹکے کے ساتھ پلٹنا چاہتے تھے لیکن چھوٹے بھائیوں اور بھاوج کی موجودگی میں بھید کھل جانے کی خجالت نے انہیں منہ پھیرے رکھنے پہ مجبور کیا۔ ان کا کتراتا پشیمان سا انداز دیکھ کے مہ لقا ڈھے گئیں۔ نجانے کیوں اس قدر طیش کے عالم میں بھی انہیں امید تھی کہ وہ اس الزام پہ بھڑک اٹھیں گے، جبران کو ڈانٹ ڈپٹ کر یہ کہلوا لیں گے کہ وہ مذاق کر رہا تھا اور یہ امید تو شاید سب ہی کے دلوں میں تھی جب ہی بھیا کا خاموش اعتراف سب کو ملال دے گیا۔

"مجھے تجھ سے یہ امید نہ تھی فرقان... تو تو... تو تو میرا سب سے سیدھا سادہ سا بیبا بچہ تھا۔" امی جان

پھپک کے رو دیں۔ بھابھی کے آنسوؤں کو بھی راہ مل گئی۔ ساس کے شانے پہ سر ٹکا کر وہ سسکنے لگیں۔ بچے آوازیں سن کر پریشان سی شکلیں لیے اس طرف آ گئے۔

"کیا ہوا بڑی امی۔۔۔ ماما۔۔۔۔ آپ دونوں کیوں رو رہی ہیں۔" ندا پوچھنے لگی لیکن بھابھی ہر چیز سے بے خبر تھیں۔

"ہائے۔۔۔ میں بھروسے میں ہی ماری گئی۔ مجھے کیا پتا تھا فرقان آپ اس عمر میں مجھے یہ غم بھی دکھائیں گے۔"

ندا اور نادر نہ سمجھنے کے سے انداز میں باپ کو دیکھنے لگے جو پہلے ہی بیٹی کی آواز پہ تڑپ کے نزدیک آ گیا تھا اور اب الجھی نگاہوں سے سب کو دیکھ رہا تھا۔ مہ ناز بھابھی بچوں کا ہاتھ تھام کے اوپر اپنے کمرے میں لے گئیں۔

بچوں کے منظر سے غائب ہوتے ہی فرقان بھیا کی شرمندگی بھی دھیرے دھیرے ڈھلنے لگی اور امی کی لعنت ملامت کے جواب میں ہلکی ہلکی سرکشی نمودار ہوتی گئی۔ سب ہی حیرت اور افسوس کے ساتھ ان کی بودی دلیلیں سن رہے تھے' جو ہر دو منٹ کے بعد اپنا رنگ بدل رہی تھیں۔

"آپ سب کو شدید غلط فہمی ہو رہی ہے بلکہ۔۔۔ یہ سب فساد اس خبیث کا پھیلایا ہوا ہے۔" جبران کی طرف خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے انہوں نے پہلا وضاحتی بیان دیا تھا۔ "میں تو فیکٹری کے کام سے قصور گیا تھا' کسی فیری شیری کو میں ہر گز نہیں جانتا۔" جواباً امی نے قصور کی اس فیکٹری کو ہر گز نہ جاننے کا اعلان کیا جہاں سے ہو کر وہ آ رہے تھے۔ (بقول ان کے)

"اوہو آپ کیا جانتے ہیں بھلا' کئی سال سے برائے نام چند گھنٹوں کے لیے آفس آتے ہیں وہ بھی مہینے میں ایک دن' نئی نئی ڈیلنگز کرنا میرا کام ہے آپ کا نہیں۔" اب جوابی کارروائی کے طور پہ جبران نے یاد دہانی کرائی کہ آؤٹ آف اسٹیشن ڈیلنگز اس کا ڈیپارٹمنٹ ہے ان کا نہیں۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ میں مانتا ہوں۔ میں بزنس کے سلسلے میں نہیں گیا تھا لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ضرور کسی عورت کا ہی چکر ہو گا۔ میرا بڑا اچھا دوست ہے وہاں۔ اس کے ساتھ دن گزارا ہے۔ آخر ہفتے بھر کی ٹینشن کے بعد کچھ ریلیکس کرنا میرا بھی حق ہے۔" یہ ان کا اگلا بیان تھا۔

"تو اتنا چھپ چھپا کر ریلیکس کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" امی گرجیں۔

"اور میں پوچھتی ہوں' بیوی بچے اور بھرا پرا گھر ہوتے ہوئے باہر' کسی غیر کے پاس دن گزارنے میں کیا آرام ملتا ہے انہیں؟ یہ سب بہانے ہیں' جھوٹ ہے۔" بھابھی سرے سے کسی "مردانہ دوست" کے وجود سے انکاری تھیں۔

"جب کسی کو گھر میں آرام نہ ملے' سکون میسر نہ آئے تب ہی وہ باہر کی خاک چھانتا ہے۔" آہستہ آہستہ بھیا کھلنے لگے۔

"کیوں صاحبزادے! تمہیں کیا دفتر سے آنے کے بعد بچے نہلانے پڑتے ہیں' بیوی کے پیر دابنے پڑتے ہیں' آٹا گوندھنا پڑتا ہے' جھاڑو لگانا ہوتا ہے یا پھر دیگ دم دینی ہوتی ہے۔" امی نے جواب طلبی کی۔

"ان محترمہ کا بس چلے تو یہ سب بھی کروالیں مجھ سے۔ آپ نے بیوی نہیں ہیڈ ماسٹرنی میرے سر پہ بٹھا رکھی ہے امی۔ میں تنگ آ گیا ہوں اس کی زیر ہدایت زندگی گزار گزار کے۔ یہ مجھ سے بڑی ہے' مانتا ہوں لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ہر وقت ہی اپنا بڑا پن ثابت کرنے پہ تلی رہے۔ میں نے ہزار بار اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ بیوی ہو بیوی بن کے رہو' اماں مت بنو۔ لیکن اس نے ہمیشہ میری بات مکھی کی طرح اڑا دی' اب بھگتے۔ اسے اماں بننے کا شوق ہے اپنا شوق پورا کرتی رہے۔ مجھے بیوی کی ضرورت ہے۔ میں۔۔۔۔" طیش میں کھلتے کھلتے وہ سب کچھ کہہ گئے۔ ہوش آیا تو بہت دیر ہو چکی تھی۔ اتنی دیر سے جو بودے بہانے گھڑے جا رہے تھے۔ سب منہ کے بل

گر گئے۔

"تو... کیا آپ نے... آپ نے دوسری شادی کر لی؟" بھابھی صدمے سے سفید پڑ گئیں۔ ابی بھی پہلے خوب گرج چمک رہے تھے لیکن اب بیٹے کی ڈھٹائی کے مظاہرے پہ ڈھیلے پڑ گئے۔

"نہیں۔" فوراً" تردید کی گئی۔ لیکن کسی کو یقین نہ آیا۔ ان کے جھوٹ سچ کی حقیقت ابھی کچھ دیر پہلے سب ہی نے دیکھ لی تھی۔

"میں نے دوسری شادی ابھی تک کی تو نہیں لیکن اگر بات کھل ہی چکی ہے تو اتنا بتادوں کہ میرا ارادہ یہی ہے۔" علی الاعلان اپنا ارادہ ظاہر کر دینے کے بعد وہ منظر سے غائب ہونا ہی چاہتے تھے کہ خواجہ صاحب کی "پدرانہ شفقت" پھر سے جوش میں آگئی۔ فوراً" اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر چھڑی کے ذریعے ان کا راستہ روکا۔

"کیا کہا؟ کیا ارادہ ہے تمہارا؟ ذرا پھر سے کہنا تو؟"

"جی... وہ میں..." ابی کو پھر سے فارم میں آتے دیکھ کر وہ اپنی فارم کھونے لگے۔

"دوسری شادی... ؟ ہوں... کیسی کر رہے تھے تم؟"

"دوسری شادی کرنا کوئی گناہ تو نہیں ابی؟ میں کوئی ناجائز کام تو نہیں کر رہا ہوں۔ آخر اسلام میں..." وہ اپنی پوزیشن سنبھالتے ہوئے دفاع میں کچھ کہنا چاہ ہی رہے تھے کہ ابی نے بات کاٹ دی۔

"خبردار جو اسلام کا نام لیا۔ کیا میں جانتا نہیں تمہارا اسلام کہاں سے کہاں تک ہے۔ اتنی عمر ہو گئی اب بھی میری سو باتیں سن کر ہی مارے بندھے بس جمعہ کی نماز پڑھنے جاتے ہو۔ رمضان کا سارا مہینہ بیمار پڑ کے روزے سے بھی جان چھڑا لیتے ہو۔ ڈاڑھی تم نے نہیں رکھی، سونا تم پہنتے ہو، موسیقی، فلمیں سب چلتا ہے۔ تب اسلام یاد نہیں آتا۔ خبردار جو تم نے منہ کھولا۔ مجھے چار شادیوں والی دلیل دینے کی کوشش بھی مت کرنا۔" چھڑی کی نوک ان کے سینے پہ ٹھونک ٹھونک کر وہ یوں گرجے کہ بے چارے فرقان بھیا منہ ہی منہ میں بدبدا کر سہم گئے۔ بھابھی بھی انہیں کمزور پڑتا دیکھ کر سنبھل گئیں۔

"چلو اپنے کمرے میں۔ اب تمہاری کوئی شکایت نہ سنوں میں، سمجھے۔ اور رہی تمہاری وہ فیری شیری تو... ایسی حسیناؤں کی حقیقت میں اچھی طرح جانتا ہوں اور تم پہ بھی عیاں کر دوں گا۔ جبران!"

"جی ابی!" وہ آخری گنڈیری کی باقیات منہ سے نکال کر الرٹ ہو گیا۔

"دو دن کے اندر اندر اس چھمک چھلو کا سارا کچا چٹھا کھول کر اس کے سامنے لاؤ۔ ذرا اس کے عشق کا بخار تو اترے۔"

اور جبران کے لیے کسی کا پول کھولنے کے لیے دو دن بھی بہت زیادہ تھے۔ اگلی رات وہ تمام ثبوت سمیت موجود تھا۔

"نام تو اصل ہی ہے یعنی فریدہ البتہ بیوہ نہیں ہیں۔ دو بار کی طلاق یافتہ ضرور ہیں۔ سپروائزر کی معمولی سی پوسٹ کی بھی اہل نہیں یعنی صرف مڈل پاس ہیں۔ صرف اپنے تعلقات کی بنا پر پیکنگ گرل سے ڈائریکٹ اس سیٹ تک آئیں۔ ان کی بڑی ہمشیرہ رشیدہ عرف روحی اپنی ان ہی خاندانی حرکات و سکنات کی وجہ سے جیل میں ہیں۔ والد صاحب ابھی کچھ روز قبل بڑی دختر سے ملاقات کر کے آئے ہیں۔ ان کی یہ ملاقات تقریباً" چار سال جاری رہی، جرم منشیات کی فروخت تھا۔ مس فیری ہماری ہی کمپنی کے اسسٹنٹ منیجر اور اکاؤنٹنٹ کو بھی اپنی زلفوں کا اسیر بنا چکی ہیں۔"

اس نے مختلف کاغذات ثبوت کے طور پہ سامنے پھیلا دیے۔ چند اخبارات بھی تھے۔ ایک میں اس کا باپ ہتھکڑی لگائے اکڑوں بیٹھا تھا، دوسری میں بڑی بہن کا خوفناک سا کلوزاپ تھا "بلیک میلر حسینہ" کے کیپشن کے ساتھ اور ایک دوپہر کے سستے سے اخبار میں وہ بذات خود براجمان تھیں اپنے سابقہ شوہر کے الزامات کے ساتھ جن کے مطابق مس فیری کا کام ہی شادی کے بعد مختلف ہتھکنڈوں کے ذریعے شوہر کی دولت ہتھیا لینے کے بعد طلاق پہ مجبور کرنا ہے۔ فرقان

بھیا کا سر شرم اور افسوس سے جھک گیا۔

"باپ کی پسند پہ بڑا اچھل اچھل کر اعتراض کر رہے تھے۔ یہ ہے تمہاری پسند۔ جرائم پیشہ گھرانے کی بدنام، بکی بدمعاش عورت۔"

وہ چپ چاپ اٹھ کے اپنے کمرے میں چل دیے۔

"چلو اٹھو، تم سب بھی اپنے اپنے کمرے میں جاؤ۔ تماشا ختم ہو چکا اور مہ لقا..... تم رکو بیٹی۔"

سب کے جانے کے بعد انہوں نے بڑی بہو کو قریب بلایا اور کچھ دیر خاموش بیٹھے رہے جیسے بولنے کے لیے الفاظ ڈھونڈ رہے ہوں۔

"بیٹی! تماشا واقعی ختم ہوا لیکن..... کچھ کہہ نہیں سکتا کہ دوبارہ یہ تماشا کب لگے۔"

"نہیں ابی! مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ کے ہوتے میں کبھی کمزور نہیں پڑوں گی۔ آپ ہی میری طاقت ہیں اور میرا سائبان بھی۔"

"اور میرے بعد؟ خود اپنی طاقت آپ بنو بیٹی۔ تم سے بہتر تمہاری حفاظت کوئی اور نہیں کر سکتا۔ میں بھی نہیں۔ تمہاری قسمت اچھی تھی کہ فیضے کا ہاتھ غلط جگہ پڑا۔ کھسیاہٹ اور شرمندگی سے اس کی ہمت کمزور پڑ گئی ہے۔ اس کی ہمت دوبارہ پیدا ہونے سے پہلے پہلے اسے سنبھال لو، قابو میں کر لو۔ تمہارے پاس یہ بڑا اچھا موقع ہے۔ بس تمہیں خود کو بدلنے کی ضرورت ہے۔"

"جی میں سمجھی نہیں۔"

"تمہاری سمجھ بھی اس نیفے کے ساتھ رہ رہ کر کم ہو گئی ہے۔ ویسے تو یہ کر تمہیں بتانا تمہاری ساس کی ذمہ داری ہے لیکن انہیں آنسو بہانے اور تسبیح کے دانے گرانے سے ہی فرصت نہیں۔ یہ بس اتنی سی مدد کر سکتی ہیں کہ شانے سے لگ کے ہمدردی کے آنسو بہا لیں یا ساری رات مصلّے پہ بیٹھ کر دعائیں مانگ لیں۔ خیر دعا تم ان سے لے لو اور دوا دارو میں بتلائے دیتا ہوں۔ فرقان اب کوئی لونڈا لپاڑا نہیں، لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ تم اس پہ توجہ دینا ہی چھوڑ دو۔ ارے عمر تو جیسے جیسے بڑھتی جائے، مرد زیادہ توجہ مانگتا ہے اور ایک تم ہو کہ سارا سارا دن گھر اور گھرداری میں الجھی رہتی ہو۔ یہ ٹھیک ہے کہ گھر کی ذمہ داریاں اپنی جگہ..... لیکن زائد اور دوسروں کے حصے کی ذمہ داریاں اپنے سر لے کر تم ان کا حق مارتی ہو جو تم سے وابستہ ہیں۔ ان میں تمہارا شوہر بھی ہے اور تمہارے بچے بھی۔

تمہارا شوہر اندر کمرے میں اکیلا بیٹھا ہوتا ہے۔ تم بھانجے بھتیجیوں کو نہلا رہی ہوتی ہو۔ وہ دفتر سے تھکا ہارا آتا ہے، تم مشین پہ دھڑا دھڑ سب کے کپڑے سیے جا رہی ہو۔ ذرا خود کو بدلو، اپنی ذات پہ توجہ دو۔ کام کی زیادتی نے تمہارے چہرے کی رونق تباہ کر دی ہے۔ اپنی بہنوں کی طرف ہی دیکھ لو۔ وہ مہ پارہ چار چار بچے بھرکی بنائے رکھتے ہیں، انہیں اسکول بھیجنے کے بعد مزے سے گھنٹوں سوئی رہتی ہے، دودھ جوس پیتی ہے۔ وہ آدھی ڈاکٹرنی کیسے ٹپ ٹاپ سے رہتی ہے اور چھوٹی بہو، تمہاری طرح اسے بھی کام کا ہوکا ہے لیکن خود سے لاپروا نہیں رہتی۔"

ابی کی ساری ہدایتیں مہ لقا بھابھی نے بڑے دھیان سے سنیں اور ان پہ عمل کرنے کا مصمم ارادہ بھی کر لیا۔ اس سے پہلے بھی اکثر کوئی نہ کوئی انہیں اس بات کا احساس دلاتا رہتا تھا لیکن وہ ہمیشہ ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دیتیں۔ اس بار سنجیدگی سے غور کیا، ٹھوکر ہی ایسی لگی تھی کہ وہ محتاط ہو گئیں۔



"وصی..... وصی پتر۔"

خواجہ صاحب آوازیں دیتے اندر آئے۔ ڈونالڈ حسب عادت ان کے پیروں کے آگے پیچھے پھدک رہا تھا۔

"جی، ددو!" وہ ستا ہوا چہرہ لے کر سامنے آیا۔

"یہ نمک پارے اور گلگلے لے جا کر اپنی چچی کو دے آؤ، شام کی چائے کے لیے۔ وہ وہیں کچن میں ہو گی۔ چائے کا وقت ہو چلا۔" گھڑی پہ وقت دیکھتے وہ شفیقہ خاتون کے برابر آ بیٹھے۔ ان کی روئی روئی آنکھیں دیکھ کر ٹھٹکے۔

"مہ جبیں چچی تو کچن میں نہیں' میں لفافے رکھ آیا ہوں۔" وہ اطلاع دے کر بھاگنے لگا۔

"ارے تو جاؤ' ذرا دروازہ کھٹکھٹاؤ' چھ بجنے کو ہیں' کب ملے گی چائے۔"

"نہیں؟ میں دوں؟" وہ سہم کر اپنے کمرے کے بند دروازے کو دیکھنے لگا۔ خواجہ صاحب کی سمجھ میں اس کا تردد نہ آیا۔

"وصی!" بند دروازے کے پیچھے سے مہ پارہ کی غضب ناک آواز آئی اور وہ تیر کی طرح اپنے کمرے میں گھس گیا۔

"کس قدر نامعقول بچہ ہے۔ میں نے کہا چچی کو جگاؤ' اپنے کمرے میں بھاگ گیا۔" وہ بڑبڑانے لگے۔ شفیقہ خاتون پیروں میں چپل اڑسنے لگیں۔

"بچہ بیچارہ کیا کرے۔ ماں کا حکم نہیں ہے چچی کے کمرے کی طرف رخ کرنے کا۔ میں خود مہ جبیں کو آواز دیتی ہوں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ "خیر نکلنے والی تو وہ بھی نہیں۔ خود ہی بنا لیتی ہوں چائے۔"

"کیا ہوا ہے؟ میں پوچھتا ہوں۔ ہوا کیا ہے؟ یہ حد بندیاں۔۔۔ یہ کمرہ بندیاں۔۔۔ یہ سب کیا ہے؟" وہ سخت متوحش تھے۔

"نیا معرکہ۔۔۔۔ خواجہ صاحب! تبدیلیاں تو آپ پچھلے ایک ہفتے سے دیکھ ہی رہے ہوں گے۔ یہ کایا پلٹ ہے کایا پلٹ۔"

"تبدیلیاں؟" وہ سوچ میں پڑ گئے۔ مہ لقا سے گفتگو کے اگلے دن تبدیلی تو نظر آنا شروع ہو ہی گئی تھی لیکن انہوں نے نوٹس نہ لیا۔ ظاہر ہے' اتنے سال یہ گھر ایک عورت کے ہاتھ میں تھا' سارا انتظام' سارا نظام۔ کچھ وقت تو لگے گا باقی سب کو اپنے حصے کی ذمہ داری سنبھالنے میں۔

صبح کا آغاز ہی مہ لقا کو متحرک کر دیتا۔ ناشتے کی ذمہ داری ان کی تھی۔ سب کو فرداً" فرداً" ان کی پسند کا ناشتہ کرانا۔ بچوں کے اسکول کے لیے لنچ باکسز تیار کرنا' دودھ ابال کر رکھنا' ناشتے کے ڈھیروں برتن خود دھونا کہ برتن دھونے والی ماسی دن میں ایک بار آتی تھی یعنی صبح سویرے' رات کے کھانے کے برتن ہوتے یا دوپہر کو استعمال ہونے والے بڑے برتن دیگچی' ڈونگے وغیرہ۔ وہ ناشتہ سے پہلے آتی اور مہ لقا بھابھی کی نفاست پسند طبیعت کو گوارا نہ تھا کہ ناشتے کے برتنوں کا ڈھیر اگلے چوبیس گھنٹوں تک مکھیاں بھنکاتا رہے' وہ سہ پہر کو کچن میں آکر دوپہر کے برتنوں میں سے بھی گلاس پلیٹیں وغیرہ دھو جاتیں۔

دوپہر کے کھانے کی ذمہ داری مہ پارہ بھابھی کی تھی۔ وہ بس ہانڈی میں چمچہ ہلا کر نام کر لیتیں کیونکہ سبزی وغیرہ کاٹ کر حتی کہ دھو کر بھابھی تیار کر چھوڑتی تھیں کہ بچوں کو اسکول بھیجنے کے بعد مہ پارہ بھابھی اپنی نیند ضرور پوری کرتی تھیں۔ گیارہ بجے بستر چھوڑنے کے بعد چائے ناشتے سے فارغ ہو کر جب وہ ساڑھے بارہ بجے کچن کو رونق بخشتیں تو ان کے پاس صرف آدھ گھنٹا ہوتا تھا کیونکہ ابی اور امی دونوں ایک سوا ایک بجے کھانا کھا لیتے تھے۔ اگر بڑی بھابھی پہلے کچن کا چکر نہ لگا چکی ہوتیں تو انہیں پتا چلتا کہ آدھ گھنٹے میں اتنا ڈھیر کھانا کیسے تیار ہوتا ہے۔

سلاد' چٹنی فریج میں تیار پڑی ہوتی۔ پیاز کٹی ہوئی' لہسن چھلا ہوا اور ادرک پسی ہوئی پیالیوں میں رکھی ہوتی۔ سبزی بھی بنانے کے بعد دھو کر الگ تسلے میں بھگوئی ہوتی۔ اگر کوفتہ یا کباب بننے ہوں تو قیمے میں پہلے سے مسالے مکس کر دیے جاتے کبھی کبھار تو گوشت مسالے سمیت ککر میں چڑھا دیا جاتا۔ آٹا گوندھا رکھا ہوتا۔ یوں بڑی آسانی کے ساتھ وہ آدھ گھنٹے میں اس معرکے کو سر کر لیتیں۔

سہ پہر کی چائے مہ جبیں بھابھی کے ذمے تھی۔ وہ تقریباً" اس ٹائم گھر آتیں' اس لیے خالی چائے ہی بنانے کا ٹائم مل پاتا' چائے کے ساتھ جو دوسرے لوازمات پیش ہوتے' وہ عموماً" مہ لقا بھابھی یا مہ ناز کی کارگزاری ہوتی۔ آج کل چونکہ مہ لقا نے شوہر کے آنے کے بعد کچن کے پھیرے لگانا بند کر دیے تھے اس لیے دو ایک دن مہ ناز ہی مہ جبیں کا ساتھ دیتی رہی لیکن اس کی طبیعت کی گرانی کے سبب پچھلے چند روز

سے خواجہ صاحب بازار سے کچھ نہ کچھ لے آتے۔ مہ ناز ایک بار پھر ماں بننے کے مرحلے سے گزر رہی تھی۔ رات کے کھانے کی ڈیوٹی بھی اسی کی تھی جسے وہ آج بھی پہلے کی طرح بہ حسن وخوبی ادا کر لی تھی۔ رات کے کھانے پہ اہتمام بھی زیادہ ہوتا کیونکہ تمام افراد موجود ہوتے۔ چپاتیاں ڈالنے کی ذمہ داری مہ جبیں کی تھی جسے سردیوں میں تو وہ ادا کر لیتیں لیکن گرمیوں میں اکثر بازار سے نان آتے جسے سب چپ چاپ کھا لیتے۔ ہاں ابی اور امی جان کے لیے وہ تین پھلکے گھر پہ بنا لیتیں۔

اب جب سے مہ لقا بھابھی نے اضافی ذمہ داریوں سے ہاتھ کھینچا' سارا انتظام ہی درہم برہم ہو گیا۔ ناشتے کی میز پہ ہی وہ ہڑبونگ مچتی کہ توبہ ہی بھلی۔ بھابھی کا تو بس نہ چلتا تھا کہ نوالے بنا بنا کر اپنے سرتاج کے منہ میں ڈالیں۔ اب سرتاج تو خوشی سے پھولے نہیں سما رہے ہوتے اتنی توجہ اور محبت پا کر لیکن باقی سب کے منہ پھولے ہوتے۔ لقمان کو فرائی انڈہ ناپسند نہ آتا۔

"اُفوہ مہ پارہ! ساری زردی بچی ہے' انڈا تو ہے۔ میرا تو جی متلا رہا ہے۔ تمہیں پتا ہے کہ میں فل فرائی انڈہ کھاتا ہوں۔"

اب مہ پارہ کے فرشتوں کو بھی کیا خبر کہ ان کے میاں فل فرائی کھاتے ہیں یا ہاف فرائی۔ اتنے سالوں سے وہ یہ وقت جمائیاں لے لے کر اخبار پڑھتے گزار رہی تھیں۔ یہ بھی ان کی عنایت کہ وہ جاگ جاتی تھیں اور بچوں اور میاں کی تیاری میں مدد بھی کر دیتی تھیں۔ ناشتے کے وقت تو بس ان کا کام یہ ہوتا کہ اخبار بینی کے ذریعے وقت کچھ آگے کھسکا تیں۔ بچوں کے اسکول جانے اور لقمان کے آفس جانے کا انتظار ہوتا تاکہ باقی ماندہ نیند پوری کی جائے۔ مہ جبیں بھی اس وقت اپنی تیاری میں مگن ہوتیں انہیں عمران کے ساتھ ہی نکلنا ہوتا تھا۔ ایسے میں خود پہ توجہ دے یا شوہر کو ناشتہ کرائے۔

"یہ ابلا انڈا اور چائے کا کپ؟ میں یہ کھا کر ہاسپٹل جاؤں گا۔ بھابھی نے مجھے پراٹھے اور آملیٹ کی عادت ڈال دی ہے' اب مجھ سے یہ ہلکا ناشتہ کھا کر دن نہیں گزارا جاتا۔"

"کمال ہے۔ ڈاکٹر ہو کر آپ یہ نہیں جانتے کہ آئلی اور ہیوی بریک فاسٹ کتنا نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔ آملیٹ میں تو ویسے بھی انڈے کے ساتھ پروٹین برن ہو جاتے ہیں۔ بوائل ایگ ہی اصل غذا ہے۔" وہ دلیل دیتیں۔

حالانکہ اصل وجہ یہ تھی کہ بل والے پراٹھے بنانے اور آملیٹ کے لیے پیاز کاٹنے میں اتنا وقت لگتا کہ وہ ڈھنگ سے تیار نہ ہو پاتیں۔ جس وقت مہ ناز ہیلو کے لیے انڈہ ابالنے لگتی یہ چپکے سے کھولتے پانی میں دو اور انڈے ڈال دیتیں۔ چائے تو تیار مل ہی جاتی تھی۔

ہمیشہ کی طرح بارہ بجے کے بعد کچن کا رخ کرنے والی مہ پارہ چڑ تیں جب سارا کچن منہ کھولے ان کا منتظر ہوتا۔ مہ لقا بھابھی فرقان بھیا کے جانے کے بعد اپنی بہنوں کا پھیلاوا سمیٹتیں۔ انڈوں کے چھلکے' بریڈ کا چورا' چائے کے نشانات' پیاز کے چھلکے وغیرہ وغیرہ۔ برتنوں کا ڈھیر دھونے کے بعد وہ اپنے کمرے کا رخ کرتیں۔ اب مہ پارہ کو الف سے یے تک کھانے کی ساری تیاری خود کرنا پڑتی۔

صفائی والی ماسی سے اپنی نگرانی میں کام کروانا مہ ناز کی ڈیوٹی تھی۔ اس لیے وہ بھی مصروف ہوتی پھر بھی مہ پارہ کہہ کہلوا کر زبردستی اس سے مدد لے ہی لیا کرتیں۔ اور وہ مارے مروت کے کر بھی دیتی لیکن پھر صفائی اس کی مرضی کے مطابق نہ ہو پاتی' اس لیے اس نے بھی معذرت کر لی۔

یوں ہفتہ دس دن بعد یہ نوبت آ گئی کہ دوپہر کے کھانے پہ نہ سلاد ہوتا نہ رائتہ۔ اکثر و بیشتر روٹی بازار سے منگوائی جاتی یہ کہہ کر کہ آٹا گوندھنے کا ٹائم نہیں ملا۔ کل رات کے بچے ہوئے سالن اور دال کے ساتھ آملیٹ بنا دیا گیا تھا اور پرسوں ڈھیلی سی کھچڑی بنا کر بغیر کسی چٹنی اور سالن کے سجا دی گئی۔

ساس سسر کے ناک بھوں چڑھانے کی قطعاً "پروا" نہ کرتے ہوئے وہ دوپہر کو ہلکا پھلکا لنچ لینے کی افادیت

گنوانے لگیں۔ انہوں نے بھی نظرانداز کرتے ہوئے بادلِ نخواستہ کھچڑی کے ملغوبے کو حلق سے اتارا۔ خواجہ صاحب یہ رعایت صرف اس لیے دے رہے تھے کہ رفتہ رفتہ سب کی روٹین سیٹ ہو جائے گی۔ سر پڑے تو کرنا ہی پڑتا ہے۔ یہ سوچ کر وہ قصداً اپنی منجھلی بہوؤں کی لاپروائی اور سستی سے سمجھوتہ کرتے رہے۔ چھوٹی بہو کی حد درجہ مصروفیت سے بھی واقف تھے اس لیے اسے سختی سے تنبیہ نہ کر سکے کہ وہ اپنی بڑی آپا کی سیٹ سنبھالنے کی کوشش نہ کرے۔

وھان پان سی مہ پارہ دوسری بار امید سے تھی اور کمزوری اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ وہ سہ پہر کو باہر نکلتے اور شام کی چائے کے لوازمات لے آتے کیونکہ مہ جبیں سے تو اس قسم کی امید رکھنا عبث تھا اور وہ جانتے تھے کہ مہ پارہ گھر والوں کی زبان کا چسکا پورا کرنے کے لیے خود کچن میں جا گھسے گی جبکہ رات کے کھانے کی تیاری بھی تو اس کے ذمے تھی۔ پچھلی بار اس کی حالت کے پیش نظر اس کی بڑی آپا نے یہ ڈیوٹی اپنے سر لے لی تھی لیکن اس بار وہ کسی اور ہی مشن میں سر کھپا رہی تھیں۔

شانوں سے ذرا نیچے آتی باریک سی چٹیا اب اسٹیپ کٹنگ کی صورت میں چہرے کے کئی سال کم کر رہی تھی۔ کبھی کبھار مہندی سے تھوپ لیتی تھیں اب ڈارک براؤن ڈائی بالوں کی چمک ہی اور تھی۔ میک اپ سے سدا بے نیاز رہنے والے چہرے پہ گلوزی لپ اسٹک، بلیک مسکارا اور بلش آن لگا ہوتا۔ لباس پر بھی توجہ ہوئی۔ پہلے پہل انہیں ذرا سی جھجک محسوس ہوئی۔

"سب کیا سوچیں گے؟"

"سارے باتیں نہ بنانے لگ جائیں۔"

لیکن پھر انہوں نے سر جھٹک کر اس شرم و جھجک کو پرے دھکیلا۔

"کون سارے؟ کون لوگ؟ یہ سب غیر تھوڑے ہی ہیں۔ یہ میری صرف دیورانیاں ہی تو نہیں، میری ماں جائیاں ہیں۔ میرا اتنا احترام کرتی ہیں۔ یہ بھلا کیسے میرا مذاق اڑا سکتی ہیں۔ سب یہی تو چاہتے ہیں کہ میری گرہستی سلامت رہے اور میری اپنی ترجیح کیا ہونی چاہیے؟ ظاہر ہے میرا شوہر۔ نہیں۔ بہت عرصہ میں نے دوسروں کو اولیت اور ترجیح دے دے کر اپنا معاملہ خراب کیا ہے۔ اب یہ غلطی نہیں دہرانی۔ مجھے ان سب سے بھی محبت ہے، سب کا خیال ہے لیکن فرقان کے جذبات کا احترام سب سے پہلے۔ اپی ٹھیک ہی تو کہتے ہیں میں نادانی میں ان کا حق مارتی رہی۔ سب کا دل جیتنے کی دھن میں شوہر کے دل سے اترتی رہی۔"

انہوں نے اس دل تک جانے والے ہر راستے پہ اپنا جال بچھانا شروع کر دیا اور فرقان کوئی فطرتاً "آوارہ" دل پھینک یا عیاش شخص تو تھے نہیں، یونہی ذرا سا نظرانداز ہو جانے کی وجہ سے بھٹکنے لگے تھے، اب بیوی کی بھرپور توجہ ملنے پر جیسے گھر سے باہر کے تمام رستے ہی بھولنے لگے۔ یہ احساس ہی کتنا خوش کن ہوتا ہے کہ کوئی آپ کے لیے، صرف آپ کے لیے خود کو سراپا بدل رہا ہے۔ وہ جان گئے تھے کہ مہ لقا میں دن بدن رونما ہونے والی خوش آئند تبدیلیاں صرف ان کے لیے ہیں ورنہ خود وہ کہاں اپنی ذات کے لیے اتنے جتن کرنے والی ہیں۔

یوں میاں راضی کرتے کرتے سب کی چہیتی بڑی بھابھی اور بڑی آپا لاڈلی بہنوں کو ناراض کرتی گئیں۔ یہ ناراضی پچھلے دو چار دنوں سے بڑی واضح صورت اختیار کر گئی تھی۔

اب جو شفیقہ خاتون نے خواجہ خلیق الرحمان کی توجہ نئی تبدیلیوں کی طرف دلائی تو ان کا دھیان اسی تبدیلی کی طرف گیا۔ مہ جبیں کی جبیں پہ شکنیں مستقل ہو گئی تھیں اور مہ پارہ کا پارہ ہر وقت سوا نیزے پہ رہنے لگا تھا۔ لیکن وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ حالات اتنے خراب ہو سکتے ہیں کہ ایک اپنے بچوں کا داخلہ تک دوسری کے کمرے میں جانا بند کروا دے گی۔

"کایا پلٹ۔" انہوں نے شفیقہ خاتون کی بات دہرائی۔

"واقعی یہ تو کایا پلٹ ہے۔ لیکن ہوا کیا؟ مجھے پوری بات بتاؤ؟ آخر بات اتنی آگے کیسے بڑھی۔ ان دونوں میں معمولی کھٹ پٹ تو ہوتی ہی رہتی ہے آخر اوپر تلے کی ہیں اور پھر مزاج بھی الگ الگ لیکن اتنی رنجشیں۔"

"بات صرف ان دونوں تک ہی تو محدود نہیں رہی۔ مہ لقا بھی لپیٹ میں آگئی۔ نہ چھوٹیوں نے آپس میں کوئی کسر باقی رکھی نہ ہی بڑی کے بڑے پن کا لحاظ کیا۔" ان کے لہجے میں افسوس ہی افسوس تھا۔

"کیا؟ مہ لقا بھی..... ناقابل یقین..... آخر تم پوری بات بتاتیں کیوں نہیں۔" وہ حقیقت جاننے کے لیے بے چین تھے۔

"کام سر پہ پڑنے کی وجہ سے مہ پارہ الجھ تو خاصے دنوں سے رہی تھی۔ آپ نے محسوس کیا ہی ہوگا۔ اس نے تو بچے بس پیدا ہی کیے تھے' پالے تو بڑی اور چھوٹی بہن نے تھے۔ اب مہ ناز تو اپنی حالت سے خود مجبور تھی' اس کا حوصلہ ہے جو کمزوری اور لو بلڈ پریشر کے باوجود اپنے ننھے سے بچے اور گھر یلو ذمہ داریاں بہ حسن وخوبی نبھا رہی ہے۔ لیکن ایسے میں دوسرے بچوں کے بھی..... اور مہ لقا کو تو آپ نے خود ہدایت کی تھی پھر بھی ایسی بات نہیں کہ اس نے بالکل ہی ہاتھ کھینچ رکھا ہو۔ آخر ندا کی طرح آمنہ اور آئینہ بھی اس کے ہاتھوں پلی ہیں۔

اب بھی روز صبح اپنے بچوں کے ساتھ ساتھ وہ ان چاروں کے لنچ باکس بھی تیار کرتی ہے۔ لیکن مہ پارہ کو تو وہ دن یاد آتے ہیں جب اس کی بچیوں کی چٹیا تک تائی گوندھتی تھی اور چھوٹی رائمہ کے ڈائپرز تک وہی بدلتی تھی۔ بس جب تک وہ بے دام کی غلام بنی رہی' اچھی تھی۔ بڑا آگے پیچھے پھرتی تھی بڑی آپا' بڑی آپا کہتے ہوئے اب جو بے چاری کی خود پہ بن آئی ہے ہاتھ پاؤں مار کے اپنی زندگی سنوار رہی ہے تو بری لگنے لگی اور رہی مہ جبیں تو آپ جانتے ہیں' وہ ہمیشہ سے اپنے کام سے کام رکھنے والی ہے لیکن ساتھ ہی اس میں ایک بری عادت ہے کہ کسی کا ادھار نہیں رکھتی نہ ہی لحاظ مروت ہے اس میں۔ منہ پہ جواب دے مارتی ہے۔ بس اس کی زبان کھلی تو مہ پارہ نے بھی حد کر دی۔"

"تم اصل قصہ مت سنانا۔ اپنے تجزیے پیش کرتی رہنا۔" اب تو خواجہ صاحب کا تجسس اور تفکر دونوں ہی انتہا کو جا پہنچے۔

"دراصل بات آج سے نہیں کل شروع ہوئی تھی۔ مہ جبیں روز کی طرح سر شام ہی اپنے کمرے میں جا کر لیٹ گئی۔ اس کے کمرے کی کھڑکیاں باہر ٹیرس پہ کھلتی ہیں جہاں اس وقت مہ پارہ سے محلے کے بچے پڑھنے آتے ہیں۔ بس ہوا یہ کہ بچوں کے شور سے تنگ آ کر اس نے باہر نکل کر اسے یہ کلاس اپنے کمرے میں لگانے کو کہہ دیا۔

"کمرے میں اتنی جگہ کہاں ہے کہ میں ان سات بچوں کو وہاں بٹھاؤں۔" اس کے اپنے چاروں بچوں کے علاوہ ایک ندا بھی اور بس محلے کے دو بچے۔

"تو پھر نیچے لاؤنج میں چلے جائیں یا پھر برآمدے میں۔"

"لاؤنج میں تو اس وقت عمران اور جبران کا راج ہوتا ہے۔ وہ ٹی وی بند کریں گے نہ ہی میوزک اور برآمدے میں ابی بیٹھے ہوں گے۔"

"کہیں بھی لے جائیں انہیں' مگر خدارا کم از کم میرے سر پہ تو سوار نہ کریں۔ سر میں اس قدر شدید درد ہو رہا ہے۔ تھکے ہارے کام سے آؤ اور دو گھڑی کا چین میسر نہیں ہوتا۔"

"او ہو تو وہ تمہارے سر پہ کب بیٹھے ہیں؟ تم جاؤ اپنے کمرے میں اور جی بھر کے آرام کرو۔"

"کیسے آرام کروں۔ پین کلر کھا کر ذرا آنکھ لگی تھی کہ شور سے جاگ گئی۔"

"تو تم بھی تو بے وقت سوتی ہو۔ بچوں پہ بگڑنا ناحق ہے۔ اگر بھری دوپہر میں یا آدھی رات کو میں یہ کلاس لگاؤں تو تمہارا احتجاج کرنا جائز بھی ہے۔ ظاہر ہے یہ آرام کا وقت ہوتا ہے لیکن اس وقت سوائے تمہارے اور کون سوتا ہے۔ سب اپنے کام تمہاری نیند پہ قربان

تو نہیں کر سکتے۔"

"آپ لوگ دوپہروں کو سو سکتے ہیں' میں تو نہیں۔ میڈیکل ریپ کو کس قدر خجل خوار ہونا پڑتا ہے اس کا اندازہ بھی ہے آپ کو؟ سیلز گرلز کی طرح سڑکیں ناپنی پڑتی ہیں۔ ابھی اس کلینک تو اب اس ہاسپٹل۔ رات کو میں عمران کی وجہ سے جلدی سو نہیں پاتی۔ ان کے آنے کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ لے دے کر ایک شام ہی بچتی ہے اس میں بھی آپ یہ اپنا استانیوں والا شوق لے کر بیٹھ جاتی ہیں۔"

"مجھے اپنی نوکری کا رعب جمانے کی قطعی ضرورت نہیں۔ کتنی تحقیر سے تم مجھے استانی کہہ رہی ہو۔ خود کون سا سرجن یا فزیشن ہو۔ ابھی صحیح تمہیں آدھی ڈاکٹرنی کہہ کر بلاتے ہیں۔"

"میں کیا بات کر رہی ہوں اور آپ کیا ذکر لے بیٹھیں۔ میں نے کوئی طنز کیا ہے نہ ہی کسی قسم کا رعب ڈالا ہے۔ یہ محض آپ کا کامپلیکس ہے۔"

"خدانخواستہ مجھے کیوں کامپلیکس ہونے لگا۔ کامپلیکس کی ماری ہوئی تو تم خود ہو۔ کیا میں نہیں جانتی تم ان معصوم بچوں سے اتنی کیوں چڑتی ہو۔"

"آپ حد سے بڑھ رہی ہیں۔ آپ نہیں جانتیں کہ کس قدر تکلیف دہ اندازے لگا رہی ہیں۔" مہ جبیں' مہ پارہ کی بات کی گہرائی تک جا کے تڑپ اٹھی۔

"ہونہہ' سچی بات کی تکلیف تو ہوتی ہی ہے۔" وہ تو کہہ کر چل پڑی لیکن مہ جبیں سلگتی رہی۔ اس کی شادی کو اتنے سال ہو رہے تھے لیکن اولاد کی کوئی امید پیدا نہ ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ بیاہ کر آنے والی مہ ناز بیلو کے بعد اب ایک اور مہمان کی تیاری کر رہی تھی۔ سب جاننے والے اس سلسلے میں اس سے سوال کرتے رہتے تھے' اپنے اپنے طور پہ ہمدردانہ مشوروں سے بھی نوازتے رہتے لیکن اسے توقع نہ تھی کہ اپنی ہی بہن اس کی بے اولادی کو طعنے کی طرح استعمال کرے گی۔ اس نے ذہن میں اس کا فقرہ دہرایا اور نئے سرے سے سلگ اٹھی۔ وہ تو بہتر ہوا مہ پارہ اتنی کہہ کر اندر چلی گئی ورنہ مہ جبیں اتنی بڑی اور نوکیلی بات آسانی سے سہہ جانے والی نہیں تھی۔

آج دوپہر کا واقعہ کل شام کے معرکے کو از سر نو زندہ کرنے کا باعث بنا۔ خلاف معمول مہ جبیں شام سے کچھ پہلے ہی چلی آئی۔ جب بھی وہ وقت سے پہلے آتی تو دیر سے ہی سہی دوپہر کا کھانا گھر پہ ہی کھاتی۔ آج بھی ساڑھے تین بجے آنے کے بعد اس نے کچن کا رخ کیا۔ فریج میں سے توری کی بھجیا اور قیمہ پیاز کا سالن نکالا۔ ہاٹ پاٹ چیک کیا' روٹی ندارد' سرد آہ بھر کے اس نے آٹا نکالنا چاہا حالانکہ روٹی پکانے کا ذرا موڈ نہ تھا لیکن بھوک زبردست لگی ہوئی تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ آج جلدی فارغ ہو جائے گی' اس لیے آفس ٹائم میں جو ہلکا پھلکا لنچ لیتی تھی۔ وہ نہ لیا کہ ایک ہی دفعہ گھر جا کر کھانا کھایا جائے اور اب جب بھوک زوروں پہ تھی' روٹی پکی پکائی نہ ملی۔ "خیر میں کون سا روز لنچ گھر پہ کرتی ہوں جو کوئی میرے لیے اہتمام کر کے رکھتا۔"

لیکن اس کا سکون غارت ہو گیا جب تلاش کرنے پہ بھی فریج میں گندھا آٹا نہ ملا اور تب تو کوفت کے مارے اس کا حشر ہو گیا جب ڈبل روٹی کے پیکٹ میں آدھے سلائس کے سوا کچھ نہ نکلا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا صبح سوائے اس کے سب نے ہی بن اور میٹھی لسی کا ناشتہ کیا تھا۔ بچوں کے لنچ باکسز میں بھی آپا نے فرنچ فرائز رکھے تھے پھر رات کو لایا گیا بریڈ کا فل سائز پیکٹ ختم کیسے ہو گیا۔ خالی پیٹ غصہ بھی خوب آتا ہے اور شومئی قسمت ایسے میں مہ پارہ کی کچن میں تشریف آوری ہو گئی۔

"یہ تم کیا پوری کی پوری فریج میں گھسی ہوئی ہو؟"

"اور کچھ تو ہے نہیں۔ میں نے سوچا میں ہی گھس جاؤں۔" وہ جل کے بولی۔ "نہ روٹی ہے نہ ہی آٹا نہ کوئی بریڈ سلائس۔"

"ہاں' وہ آٹا تو آج میں گوندھنا ہی بھول گئی۔ کیا کروں۔ روٹین میں نہیں ہے ناں۔ ہمیشہ آپا ہی گوندھ دیتی تھیں لیکن اب تو نہیں اور بھی مصروفیات ہوتی ہیں۔ بازار سے روٹی منگوائی تھی۔" وہ سکون سے رائمہ کے لیے فیڈر بنانے لگی۔

"اور بریڈ؟"

"امی کے دانت میں درد تھا' بریڈ کے ساتھ کھانا کھایا اور رضی بھی توتوری نہیں کھاتا' قیمے میں مرچ زیادہ ہو گئی۔ میں نے ابلے انڈے مکس کیے اور سینڈوچ بنا لیے۔" اس نے فخریہ اعلان کیا لیکن مہ جبیں تو کلس کے رہ گئی۔

"ایک آدھ سلائس تو بچادیتیں۔ گھر میں کچھ نہ کچھ تو موجود ہونا چاہیے۔ خالی فریج بھائیں بھائیں کر رہا ہے۔ ایک انڈا تک موجود نہیں۔ فروٹ کا ایک دانہ نہیں بچے نہ ہوئے جن ہو گئے جو سب چٹ کر گئے۔" اس نے زور سے فریج بند کیا۔ اونچی آوازیں سن کر مہ لقا بھی اس طرف آ گئیں۔

"زبان سنبھال کے بات کرو جبیں۔ کیسے منہ پھاڑ کے میرے بچوں کو جن کہہ دیا جیسے تمہارے کچھ لگتے ہی نہیں۔ گھر کے باقی لوگوں کو تو جیسے پیٹ لگا ہوا ہی نہیں۔ بس میرے بچے ہی سب کھا جاتے ہیں۔ فروٹ تو سارا وہ چھوٹی ٹھونس جاتی ہے' بھلے شکل پہ اس کے بارہ ہی کیوں نہ بج رہے ہوں اور رہے انڈے تو ان میں سے جو بچ جاتے ہیں وہ بڑی آپا اپنے کمرے میں لے جاتی ہیں چہرے پہ تھوپنے کے لیے انہیں نیا نیا خبط سوار ہوا ہے چہرے کی سلوٹیں دور کرنے کا۔ ہونہہ اب اس عمر میں چلی ہیں حسن میں نکھار پیدا....."

سامنے مہ لقا کو دیکھ کر اس کی زبان ذرا لڑکھڑائی پھر ڈھیٹ پن کا مظاہرہ کرتی فیڈر سنبھال پہلو بچاتی نکلنے لگی لیکن مہ لقا نے راستہ روک دیا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟ کس مسئلے پہ اتنی زور و شور سے بحث ہو رہی ہے اور کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ مجھے کس سلسلے میں گھسیٹا جا رہا ہے؟"

"آپا! میں تو صرف اپنے کھانے کے لیے کچھ ڈھونڈ رہی تھی۔ یہ آ گئیں تو ان سے پوچھ بیٹھی' بس اتنی غلطی ہوئی مجھ سے۔ میرے ساتھ ساتھ آپ کو بھی گھسیٹ لیا۔"

"مہ پارہ! تم اس طرح کی باتیں بھی کر سکتی ہو۔ میں سوچ بھی نہ سکتی تھی۔ مہ ناز تم سے کتنی چھوٹی ہے۔ تمہیں اس کا اس حالت میں خیال رکھنا چاہیے اور تم اس کا کھانا پینا گن رہی ہو۔ میں نے تمہارے ان دونوں کیسے کیسے لاڈ اٹھائے ہیں' نوالے بنا بنا کے منہ میں ڈالے ہیں اور تم..... اور تو اور میرے بارے میں اپنی بڑی بہن کے بارے میں ایسی بات تم نے کیسے کہہ دی۔ لہجے میں اتنا تنفر' انداز میں اتنی تحقیر..... میرے لیے....." وہ غم سے چور چور لہجے میں سوال کر رہی تھیں۔

"میرے ساتھ جو جیسا کرے گا میں ویسا ہی پیش آؤں گی۔ جب تک آپ نے لاڈ اٹھائے میں نے بھی جی حضوری کی۔ جب تک مہ جبیں سیدھی رہی' میں بھی چپ تھی۔ لیکن وہ منہ بھر کے میرے بچوں کو جن کہہ دے' ان کی خوراک کو ٹوکے تو کیا میں چپ رہوں۔ اپنے باپ کا کھاتے ہیں۔ کسی سے تو نہیں لیتے۔"

"ہونہہ' اپنے باپ کا؟ اس غلط فہمی سے نکل آئیے۔ سب جانتے ہیں وہ اپنے باپ کا کتنا کھاتے ہیں اور دوسروں کے باپ کا کتنا۔" مہ جبیں نے فوراً حساب برابر کر دیا۔ "جتنی لقمان بھیا کی آمدنی ہے اگر وہ محض اپنے بل بوتے پہ اولاد پالتے تو آپ کبھی پانچ پانچ بچے پیدا کرنے کی ہمت نہ کرتیں۔ لیکن جب بغیر کچھ کیے ساری سہولتیں مل جائیں تو یونہی اولاد کے ڈھیر لگائے جاتے ہیں۔"

"چپ رہو تم مہ جبیں۔" مہ لقا کو اس کی زبان سے خوف محسوس ہوا۔

"بولنے دیں آپا! اسے بولنے دیں۔ پتا تو چلے کہ آخر اس کے اندر کتنا زہر بھرا ہوا ہے۔ آپ بھی دیکھ لیجیے' کیسے اس کا احساس محرومی باہر ابل رہا ہے۔ خود کے تو اولاد نہیں ہے' دوسروں کی بھی چبھ رہی ہے۔"

"آپا! اس نے دوسری بار مجھے یہ طعنہ دیا ہے۔ پوچھیے اس سے یہ میری سگی بہن ہے یا دشمن۔ اس کا دل نہیں کانپتا مجھے بے اولادی کا طعنہ دیتے ہوئے۔"

"اور تو خالہ ہے یا ڈائن۔ تیرا کلیجہ نہیں پھٹتا بہن

کی اولاد کو ترستے۔ ہم تو یہی سنتے آئے ہیں کہ خالہ ماں جیسی ہوتی ہے۔ اسی لیے تو اسے ماسی کہا جاتا ہے لیکن تم نے یہ غلط کر دکھایا۔ ہاں ظاہر ہے، جو ماں ہی نہیں وہ ماں سی کیسے ہو سکتی ہے۔ تمہارا دل ممتا سے خالی ہے' اس لیے خدا نے تمہاری گود بھی سونی ہی رکھی ہے۔"

"مہ پارہ! خدا کا واسطہ ہے' اپنی زبان کو لگام دو۔" مہ لقا نے مہ جبیں کے چہرے کو پہلے سفید پھر سرخ پڑتے دیکھا تو اس کی منتیں کیں۔

"آج مت روکیں اسے آپا! بہت زعم ہے اسے اپنے ماں ہونے پر۔ میری بے اولادی اس کی نظر میں خدا کی طرف سے دی گئی کوئی سزا ہے۔ لیکن یہ نہیں جانتی۔ کبھی کبھی اولاد بھی عذاب اور سزا کی طرح ہی نازل ہوتی ہے۔" پھنکارتی ہوئی وہ تیر کی طرح کچن سے نکل گئی اور مہ پارہ فیڈر پھینک کر بین پیٹنے لگی۔

"ہائے ہائے کوکھ جلی بددعا دے کر گئی ہے مجھے۔ مجھے..... اپنی ماں جائی کو۔"

"تم نے کون سا بہنوں والا حق ادا کیا ہے۔ غصے میں ہی سہی' اس نے سخت ناروا حرکت کی ہے' لیکن اگر وہ اپنے ذہن اور زبان پہ اختیار کھو بیٹھی ہے تو اسے اس حد تک لانے والی بھی تم ہی ہو۔"

"آپ کیوں میرا ساتھ دینے لگیں۔ آپ کو تو ہمیشہ سے میرا وجود کھٹکتا ہے۔ یہ سب مصیبتیں شروع ہی آپ کی وجہ سے ہوئی ہیں۔ نہ آپ اچھا بھلا چلتا گھر کا نظام تبدیل کرتیں نہ ہی کام کے بوجھ اور دباؤ سے میرا دماغ خراب ہوتا۔"

"واہ، بہت خوب۔ اتنا عرصہ میں تن تنہا یہ بوجھ اور دباؤ اپنے شانوں پہ لیے رہی۔ میرا تو نہ دماغ خراب ہوا نہ میں نے کوئی فساد برپا کیا۔"

"آپ کو شوق جو ہے لیڈری کرنے کا۔ آپ تو خوش تھیں باس بن کر۔ لیکن میرے ساتھ ایسا نہیں ہے۔ جان کھپانے کے بعد بھی میں باس تو نہیں بن جاؤں گی' وہ تو آپ ہی رہیں گی۔ جب نمبرون پوزیشن پہ آپ نے ہی رہنا ہے تو مجھے محنت کرنے کا کیا فائدہ۔ میں تو باپ کے گھر بھی نمبر دو تھی اور یہاں بھی نمبر دو۔

آپ اپنے سے آگے کسی کو بڑھتا دیکھ ہی نہیں سکتیں۔ خصوصاً "مجھے..... مجھ سے زیادہ اہمیت تو آپ اس چھوٹی کو دیتی ہیں۔ اسے بھی گر سکھا دیے ہیں لوگوں کو مٹھی میں کرنے کے۔"

مہ ناز جو مہ جبیں کو روتا ہوتا سیڑھیاں چڑھتے دیکھ کر یہاں چلی آئی تھی' فوراً "لپیٹ میں آگئی۔ ہکا بکا وہ دونوں بڑی بہنوں کے چہرے دیکھنے لگی۔ ایک کا چہرہ صدمے سے زرد پڑ چکا تھا تو دوسری کا غصے کی تپش سے بھبھوکا ہو رہا تھا۔

"کیا ہوا بڑی آپا..... بجیا! کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں۔" وہ سر جھٹکتے ہوئے واپس مڑنے لگیں۔ "دماغ خراب ہو گیا ہے اس کا۔"

"ہاں ہاں، جو سچی باتیں کرے اس کا دماغ خراب اور جو گھنا میسنا ہو کر بیٹھ جائے وہ اچھا۔ جیسے یہ اور اس کا میاں۔" مہ ناز کے ساتھ ساتھ اب اس کے شوہر جبران کو بھی گھسیٹ لیا گیا۔

"کیا جبران نے کچھ کیا ہے؟" وہ رک کر پوچھنے لگی۔

"کسی نے کچھ نہیں کیا' میں نے کہا ناں' اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے' تم کچھ دیر اور یہاں رکو گی تو تمہارے بھی پرخچے اڑا دے گی۔ چلو نکلو یہاں سے۔ پہلے ہی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔"



"ناممکن..... یہ سب کیسے ہو سکتا ہے۔ خواجہ ہاؤس میں اتنا سب ہو گیا۔ کیسے.....؟ اتنی لمبی زبانیں میری بہوؤں کی....."

خواجہ صاحب بے یقینی کے سے عالم میں بیٹھے افسوس سے سر ہلاتے رہے۔ بیگم سے ساری بات سن کر بھی وہ یہ حقیقت ہضم نہ کر پا رہے تھے۔ جب مہ پارہ کا دیا بے اولادی کا طعنہ یاد آتا تو جیسے کلیجہ مسلا جاتا۔

"ہائے کیسا برا لگا ہو گا مہ جبیں کو۔ بیچاری کے دل پہ کیا نہ گزری ہو گی۔"

اور جب اس کی دی بددعا یاد آتی تو وہی مہ جبیں مظلوم سے ظالم بن جاتی۔

"اتنی پتھر دل کیسے ہو سکتی ہے وہ کہ اپنی ہی بہن کو اولاد کی بددعا دے ڈالی۔"

اتنے میں مہ ناز چائے کی ٹرے لیے چلی آئی۔ ساتھ ہی مہران بھی اندر داخل ہوا۔ خواجہ صاحب سے کچھ پہلے وہ چھوٹی بھابھی سے ساری روئیداد جان چکا تھا۔

"وہ نہیں آئیں؟" خواجہ صاحب نے صرف نظر اٹھا کے دیکھا تھا لیکن شفیقہ خاتون نے سوال کر ڈالا۔

"وہ نہوں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"بڑی آپا تو اس وقت سے روئے چلی جا رہی ہیں۔ مہ جبیں کے پاس سمجھانے گئی تو الٹا مجھ پہ بگڑ گئی کہ میں اسے غلط سمجھ رہی ہوں اور دوسروں کی حمایت کر رہی ہوں حالانکہ میرا تو یہی خیال ہے جتنی غلطی اس کی ہے اتنی ہی بجیا کی بھی لیکن غلطی تو بہر حال دونوں کی ہے۔ دونوں میں سے کوئی دوسرے کو اس بدمزگی کا ذمہ دار ٹھہرا کر خود بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔ بجیا نے تو خیر میری شکل تک دیکھنے سے انکار کر دیا۔ ان کے خیال میں تو میں بڑی آپا کی چمچی ہوں۔"

"دیکھتا ہوں، کب تک کمرے میں بند رہتی ہیں۔ کہہ دو سب سے رات میرے کمرے میں حاضر ہوں اپنے اپنے شوہروں سمیت۔ سب کے دماغ درست ہونے والے ہیں۔ گھر کو محاذ جنگ سمجھ رکھا ہے۔ اپنے اپنے مورچے سنبھالے بیٹھی ہیں۔ آج رات میں یہ قصہ ختم کر کے رہوں گا۔"

غم کی وقتی کیفیت سے نکلتے ہی خواجہ صاحب نے اپنی ازلی وحشت پھیلاتے ہوئے ہنگامی میٹنگ کا اعلان کیا۔ ان کا خیال تھا ان کے ذرا گھرکنے کی دیر ہے، سب سیدھے ہو جائیں گے۔ جیسے فرقان کے کس بل درست کیے تھے ویسے ہی مہ پارہ اور مہ جبیں کی طبیعت بھی صاف ہو جائے گی۔ آئندہ ایسی محاذ آرائیاں کرنے کی جرات نہ کر پائیں گی۔ یہ چیلنج پورے اعتماد کے ساتھ ان کے چہرے پہ روشن تھا جسے پڑھ کر مہران نے چپکے سے دعا کی۔

"اگرچہ میں آپ کے اس اصول کے خلاف ہوں کہ ڈنڈے کے زور پہ سب کو اپنی مرضی پہ چلایا جائے پھر بھی ابی! میری دعا ہے آپ کا یہ بھرم کبھی نہ ٹوٹے اپنی اولاد پہ آپ کا یہ اعتماد یونہی قائم رہے۔"



"میں کوئی لمبی چوڑی تمہید باندھوں گا نہ ہی وضاحت طلب کروں گا صبح والے واقعے کی۔ میں صرف وارننگ دے رہا ہوں کہ آئندہ اس چھت کے نیچے ایسا کوئی تماشا ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔"

باری باری تمام بیٹوں اور بہوؤں کے تنے ہوئے چہروں کی طرف کڑی نظروں سے دیکھتے ہوئے ابی نے سخت ترین انداز میں وارننگ دی۔

"یہ کیا بات ہوئی ابی! گھر میں اتنی بڑی بات ہو گئی اور آپ بجائے قصوروار کو تنبیہہ کرنے کے سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانک رہے ہیں۔ وضاحت کیوں نہیں طلب کریں گے آپ۔ آپ کو ضرور وضاحت طلب کرنی چاہیے، سارا دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جانا چاہیے۔ پتا چلنا چاہیے کہ تماشا کس نے شروع کیا اور کیوں کیا؟" عمران بھیا کو ابی کی ڈانٹ ڈپٹ ذرا پسند نہ آئی۔ وہ تو اپنے طور پہ بیوی کی وکالت کرنے آئے تھے اور انہوں نے مقدمہ کی سماعت کے بغیر ہی فیصلہ سنا دیا۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں یہ ابی! اچھا ہوا یہ مطالبہ خود انہوں نے کیا۔ ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ قصوروار کو سزا ملے بجائے اس کے کہ سب ہی کو ایک لائن میں کھڑا کر کے لعنت ملامت کی جائے۔" لقمان بھیا بھی پورے پورے بیوی کے سکھائے ہوئے لگ رہے تھے۔

"میں سب سن چکا ہوں اور اچھی طرح جانتا ہوں۔ کون کتنا قصوروار ہے۔ تم سب کو ایک ہی لائن سے ہانکنے کی وجہ بھی یہ ہے کہ تم میں سے کوئی کسی سے کم نہیں۔ لاتوں کے بھوت ہو تم سب۔ جب تک میرے ہاتھ تمہاری گردنوں تک تھے سب تیر کی طرح سیدھے تھے۔ اب تمہارے اپنے بچوں نے قد نکالنے شروع کیے تو میں نے ڈھیل دے دی لیکن میری نرمی کا نتیجہ یہ نکلا کہ تم نے گھر کو میدان جنگ بنا ڈالا۔"

"لاحول ولا۔۔۔ ابی تو ایسے بات کر رہے ہیں جیسے ہم لوگ میٹرک میں برا رزلٹ لانے کے بعد ان کے آگے سر جھکائے بیٹھے ہیں۔" عمران بھیا بڑبڑائے۔

"اور کیا؟ بات عورتوں کے درمیان ہوئی ہے اور آپ ہمیں ڈرا دھمکا رہے ہیں۔ ہم نے بھلا کیا کیا ہے؟" جبران کو بھی یہ ہیڈ ماسٹروں والی زبان پسند نہ آئی۔

"تم لوگوں نے یہ کیا ہے کہ اپنی عورتوں پہ کنٹرول رکھنا چھوڑ دیا ہے۔ بات مجھ تک پہنچنی ہی نہیں چاہیے تھی یہ مسئلہ تو تم لوگوں کو خود حل کرنا چاہیے تھا۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں تمہاری بیویوں کے یوں دوبدو لڑنے کی نوبت ہی نہیں آنا چاہیے تھی۔ میرا خیال تھا کہ خون کے رشتے کچھ لحاظ کریں گے لیکن یہ تو دیورانی جیٹھانی بنتے ہی بہن کا رشتہ بھول گئیں اور۔۔۔ اور تم لوگ۔۔۔ تمہیں کیا ہوا۔۔۔ تمہارے رشتے کو بھی کیا دوسرا کوئی نام مل گیا ہے؟"

"ابی! عمران ٹھیک کہہ رہا ہے۔ آپ کو سب کا موقف سننا چاہیے۔ کیونکہ سب کا خون سفید نہیں ہوا۔" مہ لقا جو بڑی دیر سے چپ تھیں۔ دزدیدہ نگاہوں سے مہ پارہ اور مہ جبیں کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

"ہمارے رشتے کو نیا نام آج سے نہیں ملا۔" اپنی بات جاری رکھتے ہوئے انہوں نے کہا۔ "کئی سال ہو گئے ہیں اس نئے رشتے میں بندھے ہوئے۔ کیا آپ کو پہلے کوئی شکایت ہوئی۔ اگر آج آپ کو شکایت ہے تو پہلے ہماری بھی تو سنیے۔۔۔ وہ وجہ تو جان لیجیے جس نے ہمیں ایک دوسرے کے مقابل لا کھڑا کیا۔ پھر شاید آپ کو فیصلہ کرنے میں آسانی ہو کہ کون قصوروار ہے کون نہیں۔ کیونکہ کم از کم میں تو یہ الزام اپنے سر نہیں لے سکتی۔ اتنے سالوں تک میں نے کیا نہیں کیا اس گھر کی خوشی کے لیے اور آج۔۔۔ آج میرے ساتھ زیادتی ہوئی ہے تو۔۔۔" ان کی آواز بھرا گئی تو مہ پارہ کو کہنے کا موقع ملا۔

"ہاں ہاں۔ آپ نے کیا نہیں کیا۔۔۔ لیکن اس گھر کی خوشی کے لیے نہیں محض اپنی خوشی کے لیے۔ اپنی حاکمانہ فطرت کی تسکین کے لیے۔ جب تک آپ کا دل چاہا آپ نے من مانی کی جب اوروں پہ زور چلا چلا کر دل بھر گیا تو اپنے شوہر کی خبر لی۔ مجھے اس حال تک پہنچانے والی آپ ہی ہیں۔ آپ نے مجھے دبا دبا کر اتنا مشتعل کر دیا کہ اب مجھ میں برداشت کا مادہ بالکل نہیں رہا۔"

"واہ یہ اچھا جواز پیش کیا آپ نے اپنی زیادتیوں کا۔ برداشت کا مادہ تو آپ میں پیدائشی طور پر مفقود تھا۔" مہ جبیں نے حملہ کیا۔

"اگر جانتی ہو تو پھر بار بار آزماتی کیوں ہو۔" تنک کر جواب دیا گیا۔

"دیکھ لیا ابی! آپ سمجھ ہی گئے ہوں گے تماشا کس نے شروع کیا۔" عمران نے دونوں ہاتھ کھڑے کر کے فیصلہ طلب کیا۔

"عمران! تم جانتے نہیں تمہاری بیوی نے اپنی بہن کو کتنی سخت بددعا دی ہے، تمہارے بھتیجوں کے حوالے سے۔" لقمان نے غیرت دلانے کی کوشش کی۔

"اور آپ بھی شاید انجان ہیں کہ آپ کی بیگم نے اپنی چھوٹی بہن کو "کوکھ جلی" کہہ کر بانجھ ہونے کا طعنہ دیا۔"

"بس!" ابی کھڑے ہو گئے۔ "میں نے جھگڑا ختم کرنے بلوایا ہے نہ کہ مزید بڑھانے کو۔ غضب خدا کا تمہیں اب ماں اور باپ تک کا لحاظ نہیں رہا۔ ختم کرو اس بے ہودہ قصے کو۔"

"ختم کرنے ہی تو آئے ہیں ابی۔" عمران نے مضبوط لہجے میں کہا۔ اب تک چپ چاپ سب سنتے مہران نے چونک کر بھائی کے چہرے پہ کچھ کھوجا اور جو اسے ملا اس نے اسے اندر تک دہلا دیا۔ وہ دہل گیا تھا ابی کے اعتماد کو دھندلاتا دیکھ کر۔

"پچھلے دو سال سے میں مسلسل کوششیں کر رہا تھا کہ کسی طرح اپنا کلینک سیٹ کر لوں۔ دو دو جگہ جاب کرنے کے بجائے صبح کو ہاسپٹل پریکٹس کرتا اور شام کو اپنے کلینک۔ بہترین طریقہ تو یہ ہی تھا کہ رہائش گاہ

کے ساتھ ہی کلینک کھول لیا جاتا تاکہ آنے جانے میں زیادہ مشکل نہ ہو لیکن ہمارا گھر جس علاقے میں ہے وہاں اتنے بڑے اسکیل پہ کلینک نہیں بنایا جاسکتا۔ میرا ارادہ کلینک کے اوپر رہائش گاہ تعمیر کرنے کا تھا لیکن مہ جبیں نہیں مانی۔ وہ یہ سلسلہ چھیڑ کر گھر میں کسی قسم کی کوئی بدمزگی پیدا نہیں کرنا چاہتی تھی میں بھی چپ ہو گیا۔ جانتا تھا آپ کتنے پکے ہیں اس بارے میں۔ لیکن کیا ملا ہم دونوں کو اس چپ کے بدلے میں۔ کھلم کھلا ہمارے ساتھ زیادتی ہوئی اور آپ کوئی سدباب کرنے کے بجائے لاتوں کے بھوت والی دھمکی دے کر ڈرا رہے ہیں۔ آپ کے نزدیک ہماری عزت نفس اور خواہشات کی کوئی قدر ہی نہیں۔ آپ کو صرف اپنے خواب مقدم ہیں۔ "عمران!" ابی بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگے۔

"لڑو، مرو بس ایک ساتھ رہو، یہ ہے آپ کا فلسفہ۔" ان کے ذہن میں کچھ عرصہ پہلے مہران کا کہا فقرہ گونجا۔

"تو تم کیا چاہتے ہو؟" ان کے انداز میں حد درجہ شکستگی تھی۔

"آزادی۔" وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ٹھونس کے کھڑے ہوگئے سب نے ان کی طرف چونک کے دیکھا۔ لقمان اور مہ پارہ سٹپٹا کے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ پھر نجانے کیا سوچ کر مہ پارہ ریلیکس سی ہوگئی اور آنکھوں ہی آنکھوں میں شوہر کو تسلی دی۔

"آزادی...؟ کیا میں نے تمہیں قید کر رکھا ہے؟ بولو۔" نجانے ابی کا سارا کروفر کہاں چلا گیا تھا۔

"آپ نے ہمیں اپنے خواب میں جکڑ رکھا ہے، کس رکھا ہے۔ جب تک حالات نے اجازت دی، ہم نے مقدور بھر آپ کے جذبات کا احترام کیا لیکن اب حالات اختیار سے باہر ہو رہے ہیں۔ خود اپنی نظروں سے گر کر اپنے ہی بہن بھائیوں کے ہاتھوں ذلیل ہو کر جینا بھی کوئی جینا ہے۔ میں فیصلہ کر چکا ہوں۔ ویسے تو میں کلینک کے لیے پلاٹ دیکھ ہی رہا تھا لیکن اب اتنا وقت نہیں ہے کہ تعمیر کے جھنجھٹ میں پڑا جائے۔ میں جلد از جلد کوئی بنگلہ دیکھ کر وہاں منتقل ہو جاؤں گا۔ کم از کم میرے اور مہ جبیں کے وجود سے کسی کو کوفت ہوتی ہے تو وہ اب دور ہو جائے گی۔" وہ اپنا فیصلہ سنا کر چلتے بنے، مہ جبیں مزید کسی سوال جواب سے بچنے کی خاطر شوہر کے پیچھے ہی ہولی۔ ابی اور امی کی طرح فرقان اور بڑی بھابھی کے لیے بھی ان کا یہ فیصلہ حیران کن تھا۔ وہ توہکا بکا دونوں کو دیکھتے رہے۔ مہ پارہ بھابھی نے لقمان بھیا کو ٹہوکا دیا۔ وہ کھنکھارے۔

"یہ اچھی بات ہے کہ نکلنا خود ہے اور الزام دوسروں کے سر ڈال دیا۔ ہمیں بھلا کیا تکلیف کسی کی ذات سے اور دیدہ دلیری دیکھو ہم پہ الزام لگایا جا رہا ہے عزت نفس کچلنے کا۔ اس سے پوچھنا تو تھا کہ میری کم آمدن کا طعنہ کس نے دیا تھا اور میرے بچوں کا دوسروں کی کمائی پہ پلنے کا دعوا کس کا تھا۔ یہ میری برداشت سے باہر ہے۔ میں تو خوش تھا کہ بھائی بھائی کو ڈھانپ رہا ہے۔ مل کر کھا رہے ہیں چاہے چٹنی سے کھائیں چاہے مرغی سے لیکن پتا نہیں تھا کہ اس طرح کا طعنہ سننے کو ملے گا۔ عزت نفس اس اکیلے کی نہیں، میری بھی ہے۔ ذلیل ہو کر میں بھی نہیں رہ سکتا۔ یہ چلا گیا ہے تو کیا ہوا۔ کل کو ان میں سے دوسرا اٹھ کر اپنے پیسے کی دھونس جمائے گا۔ بھئی ہماری اتنی پسلی تو نہیں کہ ان کی طرح بنگلے خریدتے پھریں پھر بھی یہی سوچا ہے کہ اپنی چھت الگ کرلیں۔ عزت سے گزارا ہوگا۔ بچے کسی احسان کے بغیر، کوئی بددعا لیے بنا زندگی گزار لیں گے۔"

اپنی بات مکمل کر کے انہوں نے ڈرتے ڈرتے ابی کی طرف دیکھا۔ وہ سر نیہوڑائے کسی گہری سوچ میں گم تھے۔ امی منہ میں دوپٹہ دبائے سسکیاں لے رہی تھیں۔ مہ پارہ بھابھی نے آنکھ کے اشارے کے ذریعے انہیں وہاں سے غائب ہونے کے لیے کہا۔ مبادا وہ کسی اموشنل بلیک میلنگ کا شکار نہ ہو جائیں۔

"بس کرو شفیقہ... کیا سارے آنسو ابھی بہالو گی۔" ابی نے ان کے جانے کے بعد سرد آہ بھر کے شریک حیات کو ٹوکا۔ جواباً "ان کے رونے میں اور

شدت آگئی۔

"ابھی بڑے موقع آئیں گے۔ شوق سے روتی رہنا۔ ہاں بھئی بڑے صاحبزادے! آپ نے بھی کوئی محل دیکھ رکھا ہے یا میں آپ کی مدد کروں اور جبران تم بھی جلد ہی اپنا بندوبست کرلو، شاید آج کل مکان کوڑیوں کے مول بک رہے ہیں، تب ہی ہر کوئی اپنا اپنا لینے بھاگ رہا ہے۔ جاؤ میاں! تم کیوں پیچھے رہو..... اور مہران..... تم..... خیر تمہیں کیا کہوں..... تمہیں تو کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں۔ تمہارے اپنے نظریات بھی تو یہی ہیں۔ تم تو کھلم کھلا میرے خواب کا مذاق اڑا چکے ہو۔ اس وقت مجھے غصہ آیا تھا..... شدید غصہ..... لیکن اب سوچتا ہوں۔ تم ٹھیک کہتے تھے۔ شاید میں ہی غلط تھا..... شاید میری خواہش ہی ناجائز تھی۔" ہمیشہ گرجنے برسنے والے خواجہ خلیق الرحمان کا لہجہ نہایت مدھم تھا اور الفاظ بکھرے ہوئے۔ مہران تڑپ اٹھا۔ فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے قدموں میں بیٹھ گیا اور ہاتھ تھام کر کہنے لگا۔

"میں نے بھی آپ کے خوابوں کا مذاق نہیں اڑایا ابی۔ اس وقت اگر میں نے ایسا ویسا کہا بھی تھا تو وقتی جھنجھلاہٹ کے زیر اثر۔ میں صرف آپ کی شدت پسندی کے خلاف تھا۔"

"میں اب بھی سمجھ نہیں پا رہا یہ سب ہوا کیسے؟ اگر واقعی میرا اقدام غلط تھا تو اس کے برے نتائج اتنی دیر سے کیوں ظاہر ہوئے۔ آخر اتنا عرصہ یہ گھر میری حسب خواہش ہی تو چلتا رہا ہے۔"

"وہ اس لیے کہ تب تک آپ کی خواہش ان کی خواہش سے ٹکراتی نہیں تھی۔ سب اپنی اپنی غرض کے بندے ہیں۔ جس کو ساتھ رہنا ہو وہ بغیر کسی غرض کے بغیر کسی مفاد کے بھی رہ لیتا ہے، اگر کسی کا ساتھ منظور ہو تو اس کی سو زیادتیاں بھی سہہ لی جاتی ہیں لیکن جن کے دلوں میں گنجائش نہ ہو انہیں ہزار کوششوں کے بعد بھی اکٹھا نہیں رکھا جاسکتا۔ عمران بھیا کی ترقی کی راہ میں یہ گھر اور اس کا فرسودہ ماحول رکاوٹ تھا یہ جھگڑا اس رکاوٹ کے دور کرنے کا جواز بنا اور لقمان بھیا جو عزت اور خودداری کا راگ الاپتے گئے ہیں، درحقیقت پارٹنرشپ سے الیکٹرونکس کا کاروبار شروع کرنے والے ہیں۔ وہ اور ان کی بیگم شروع سے ہی مل بیٹھ کے رہنے کے حامی نہیں۔ وہ تو مالی حالات اجازت نہیں دیتے تھے۔ اس لیے چپ چاپ اتنے سال گزار دیے۔ اب جو معاشی حالت سدھرنے کے امکان پیدا ہوئے تو جھٹ اپنا ٹھکانا الگ کرنے کی سوچی۔

"اپنا کاروبار شروع کرنے والا ہے؟ کمال ہے اتنی بڑی بات اور میں بے خبر رہا۔ اسی لیے تو کہہ رہا ہوں تم لوگ بھی اب اچانک کوئی دھچکا دینے کے بجائے ابھی فیصلہ کرلو کب اور کس دن رخصت ہونا ہے۔" انہوں نے دل پتھر کرلیا۔

"ابی..... آپ..... آپ ہمیں نکال رہے ہیں گھر سے؟" مہ ناز قریب چلی آئی۔ اس کی پلکوں پہ ستارے چمکنے لگے تھے۔ وہ اپنی سب سے چہیتی بہو کے آنسو نہ دیکھ پائے، منہ پھیر کے کہنے لگے۔

"میں کون ہوتا ہوں کسی کو نکالنے والا۔ وہ سب بھی تو خود اپنا فیصلہ سنا گئے۔ تمہیں تو میں اجازت دے رہا ہوں۔ ہاں اگر اس گھر میں رہنا زیادہ پسند ہے تو ٹھیک ہے۔ میں ہی کہیں اپنا بندوبست کرلوں گا۔"

"ابی..... ابی پلیز۔" وہ سسکنے لگی۔ "ہمیں خود سے الگ مت کیجیے۔ ان کی سرکشی کی سزا ہمیں مت دیں۔ وہ جانا چاہتے تھے، چلے گئے، کم از کم میں اس گھر کو، آپ کو اور امی کو چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔"

"اور میں بھی نہیں۔" مہ لقا بھی اٹھ کے قریب چلی آئیں۔ "اگر مہ ناز کو میری حاکمیت پہ اعتراض نہ ہو تو۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ بڑی آپا۔ آپ میری ماں کی جگہ ہیں۔ میں نے ہمیشہ آپ کو عزت دی ہے۔ مان دیا ہے اور انشاء اللہ دیتی رہوں گی۔" دونوں بہنیں خواجہ صاحب کے گھٹنوں پہ ہاتھ دھرے ایک دوسرے کے گلے لگ گئیں۔ فرقان بھیا اور جبران

ایک دوسرے کو دیکھ کر کھل کر مسکرائے۔

"یہ سب تمہاری جذباتیت ہے۔ خیر میں زبردستی کرنے والا کون ہوتا ہوں۔ پہلے ہی مجھ پہ زیادتیاں کرنے کا الزام ہے۔ تمہاری مرضی۔۔۔ دیکھتا ہوں یہ بھائی چارہ اور کتنے دن قائم رہتا ہے۔ مجھے تو اب کسی سے کوئی امید نہیں۔"

"امید ہمیشہ زندہ رکھنی چاہیے ابی۔" مہران نے تسلی دینا چاہی۔

"تم تو خیر مجھ سے کلام ہی نہ کرو۔ یہ تو سگی بہنیں تھیں۔ تمہاری بیوی جو کچھ کرنے والی ہے' وہ میں ابھی سے دیکھ سکتا ہوں۔ مجھے تو نہیں لگتا کہ وہ ڈولی سے نیچے اس گھر کی دہلیز پہ پاؤں بھی دھرے گی اس لیے یہ لمبے چوڑے دعوے رہنے دو۔" کھوکھلی سی ہنسی کے ساتھ انہوں نے ہاتھ اٹھا کے اسے مزید دلاسے دینے سے باز کیا۔

"یہ دعوے نہیں ابی' میرا عزم ہے کہ آپ کے چہرے پہ اعتماد کی وہی جگمگاہٹ لا کے رہوں گا۔" اس نے دل ہی دل میں ارادہ کیا۔ اگر وہ معطر کی فطرت سے اس طرح آگاہ نہ ہوتا تو یہ دعویٰ کرنے سے واقعی باز رہتا کیونکہ کسی کی بھی مرضی اور فطرت کے بغیر اس کا تعاون حاصل کرنا اس کے نزدیک جبر تھا اور وہ جبر کے ذریعے بیوی سے قربانیاں مانگ کر پھر سے وہ کہانی دہرانا نہیں چاہتا تھا لیکن۔۔۔ معطر۔۔۔ اس کے اعتبار کے سہارے ہی تو اس نے اتنا بڑا ارادہ کیا تھا۔

♥ ♥ ♥

اور یہ چھ مہینے بعد کی بات ہے۔

صرف چھ مہینے۔

کہنے کو صرف چھ مہینے ہیں لیکن کیا کچھ نہیں بدل چکا۔

خواجہ ہاؤس کے بہت سے پرانے مکین یہاں سے جا چکے ہیں۔ کچھ نئے مکینوں کا اضافہ بھی ہو چکا ہے۔ تین ماہ قبل معطر ہمایوں' معطر خواجہ بن کر اس کے آنگن میں اتری تو ڈیڑھ ماہ پہلے ٹوٹی مہ ناز کی گود میں آئی۔

عیدالفطر کی یہ صبح ہنگامہ خیز تھی۔ امی جان الماری سے نئے بیڈ کور نکال رہی تھیں۔ بڑی بھابھی ڈرائنگ روم میں تھیں دھلے ہوئے پردے ٹانگ رہی تھیں' یہاں کی تفصیلی صفائی وہ کل ہی کر چکی تھیں جس کا اندازہ چم چم کرتی چیزوں کو دیکھ کے ہی ہو رہا تھا۔ ندا اور آمنہ اپنے اپنے ہاتھوں پہ لگی مہندی کے رنگ کا مقابلہ کر رہی تھیں جو کل رات ہی چھوٹی چچی نے بڑی محنت سے ان کی ننھی ہتھیلیوں پہ لگائی تھی۔ انہیں مہ لقا بھابھی کی طرف سے بار بار جلد تیار ہونے کی ہدایت مل رہی تھی۔ مہ ناز بھابھی جو ہمیشہ ہی اس موقع پہ سب سے متحرک ہوا کرتی تھیں' اب ریں ریں کرتے بلو اور چیں چیں کرتی ٹوٹی میں الجھی ہوئی تھیں۔ تین سالہ بلو بھی بہن کو ماں پہ قبضہ جمائے دیکھ کر احتجاجاً "بلک اٹھتا تھا۔ معطر کچن میں شیر خرما سے بھرے بلوریں پیالوں پہ بادام اور پستہ کی ہوائیاں چھڑک رہی تھی جب شفیقہ خاتون اندر داخل ہوئیں۔

"بیٹی! تمہاری پہلی عید ہے۔ سسرال میں اور تم کچن کی ہو کر بیٹھ گئی ہو۔ چلو شاباش جلدی سے نہا دھو کر تیار ہو جاؤ۔ تمہارے ابی نماز پڑھ کے آنے والے ہی ہوں گے' اس طرح دیکھ کے خفا ہوں گے۔ چلو چھوڑو سارے کام۔۔۔ خیر سے تمہارے بھابھیاں ہیں ناں۔" وہ پہلے بھی ایک بار اسے تیار ہونے کا کہہ کر گئی تھیں۔ اب اسے وہیں براجمان دیکھا تو ذرا سختی سے ڈپٹ کر بولیں۔

"بس امی! یہ رہ گیا ہے۔ مہ ناز بھابھی نے ہی بنایا ہے شیر خرما' بچے سو رہے تھے تو انہیں بھی موقع مل گیا' صبح سویرے ہی شروع ہو گئیں' اب دودھ پلانے گئیں تو میں نے سوچا' کم از کم ٹھنڈا کر کے پیالوں میں ہی نکال لوں' نماز پڑھ کے آنے والے ہوں گے سب۔" اس نے حسب عادت دوپٹے کے پلو سے ہاتھ صاف کیا۔

"اف توبہ یہ بچیاں بھی بس۔۔۔ کہہ کہہ کر تھک گئی ہوں کہ تیار ہو جاؤ تیار ہو جاؤ۔ کان پہ جوں ہی نہیں رینگتی۔ اب زبردستی باتھ روم میں دھکیل کے آئی ہوں۔ سوچا ان کے نہانے تک کچن کی خبر لوں۔" مہ

لقا بھابھی بھی اندر آگئیں۔ ”آپ بیٹھیں امی! ناشتہ بناتی ہوں آپ کا‘ باقی کام تو بچیوں کو تیار کرنے کے بعد ہی ہوگا۔“

”میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں بھابھی! وہ دونوں نہالیں تو وہیں بھیج دیجیے گا‘ میں تیار کردوں گی۔ آپ دوپہر کے کھانے کا کام سمیٹیں‘ بھیا لوگ آگئے تو اچھا نہیں لگے گا کہ گھر والے کچن میں گھسے بیٹھے ہیں۔“

”ہاں ہاں۔ بس میں پلاؤ کے لیے گوشت کی یخنی رکھنے ہی والی ہوں۔ کباب تو رات کو بنا لیے تھے۔ وقت کے وقت تل لوں گی‘ ٹرائفل بھی مہ ناز نے تیار کردی تھی۔ ہاں وہ تم کیا بتا رہی تھیں رات کو مرغی کو سرکہ وغیرہ لگاکے.... اس کا کیا کرنا ہے۔“

”رات بھر کے لیے میری نیٹ ہونے رکھ دی تھی۔ اب کوئی کام ہی نہیں۔ بس کھانے سے آدھ گھنٹہ پہلے اوون میں روسٹ کرلوں گی۔“

”عید مبارک.... عید مبارک۔“

باہر سے آتی آوازوں پہ معطر سرپٹ بھاگ کر اپنے کمرے میں گھس گئی۔ نہانے کے بعد گیلے بال یونہی کلپ سے اکٹھے کرکے وہ کچن میں چلی گئی تھی۔ عید کا لباس سامنے ہی بیڈ پہ پھیلا تھا وہ اٹھا کے ڈریسنگ روم گھس گئی۔ جلدی جلدی لائٹ سا میک اپ کیا‘ مہندی سے سجے ہاتھوں میں گہری سبز منقش سے سجی کانچ کی چوڑیاں پہنیں۔ دوسری کلائی میں پہلے ہی دو منقش کنگن کسی حسین لمحے کی یادگار بنے کھنک رہے تھے۔ مہران کی طرف سے منہ دکھائی میں ملنے والا یہ تحفہ وہ کسی بھی وقت خود سے جدا نہیں کرتی تھی۔

گرین جارجٹ کے سوٹ پہ پنچ کلر کے کنٹراسٹ کے ساتھ فل امبرائڈری کا بڑا سا دوپٹہ لیے وہ لاؤنج میں آئی۔ امی کو سلام کرکے ڈھیروں دعائیں اور پیار سمیٹا‘ فرقان بھیا اور جبران بھیا کو بھی عید کا سلام کیا۔ ادھر ادھر نظریں دوڑائیں مہران کہیں نہیں تھا۔

”مہ لقا‘ آؤ بیٹی‘ مہ ناز کو بھی بلاؤ.... اپنی اپنی عیدی لے لو۔“ خواجہ صاحب نے سب بہوؤں کو پکارتے ہوئے جیب میں ہاتھ ڈالا۔

”خواجہ جی! ذرا رک جاتے.... میرا مطلب ہے‘ دوسری بھی آنے والی ہوں گی۔ ساری بہوؤں اور پوتے پوتیوں کو اکٹھے ہی عیدی دے دیتے۔“ شفیقہ خاتون نے ہچکچاتے ہوئے انہیں ٹوکا۔ جواباً خشمگیں نگاہوں سے گھورتے ہوئے وہ کچھ کہنے ہی والے تھے کہ شاید موقع کی نزاکت کا خیال کرتے ہوئے خاموش رہ گئے۔

”واہ بڑی لمبی عمر ہے بھئی بھیا آپ کی۔ ابھی یاد ہی کر رہے تھے ہم لوگ۔“ جبران دروازے سے ہی نعرے مارتا پورچ کی طرف لپکا۔ لقمان اور عمران کی گاڑیاں آگے پیچھے ہی اندر داخل ہوئیں۔

”آمنہ! میں نے کہا تھا ناں کہ تم بھی میرے ساتھ یہاں رک جاؤ۔ اتنا مزا آیا چاند رات کو۔ اپنی مہندی دیکھو ذرا کیسے تھوپی ہوئی ہے اور یہ دیکھو نئی چچی نے کیسا پیارا ڈیزائن بنایا ہے۔“ آمنہ بہن کو چڑانے لگی۔

کچھ دن پہلے مہ لقا بھابھی امی جان کے ساتھ بچیوں کو

عید دینے لگیں تو وہ تائی کے ساتھ ہی یہاں رہنے چلی آئی۔

"جاؤ نادر! چچا کو بلا کر لاؤ۔ سب اکٹھے ہی ناشتہ کریں گے۔ لو بھلا بتاؤ ذرا پہلے فون کر کے بتا دیتے تم لوگ بغیر ناشتے کے نکل رہے ہو میں اہتمام ہی کر چھوڑتی۔"

شفیقہ خاتون کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ انہوں نے تو دوپہر کے کھانے کا اہتمام کیا تھا۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ ابی۔ ہم کوئی مہمان ہیں؟" مہ پارہ کی شہد میں ڈوبی آواز پہ خواجہ صاحب نے چونک کر معنی خیز نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ کہتی رہی۔

"بچے رات سے ہی اتنے ایکسائیٹڈ تھے' صبح ہوتے ہی جانے کا شور مچا دیا اس لیے ناشتہ رہنے دیا۔"

"اور ہمارا تو دل ہی نہیں چاہا عید والے دن بھی اکیلے بیٹھ کے کچھ کھانے کو' اس لیے عمران نماز پڑھ کے آئے تو میں نے ساتھ ہی نکلنے کا کہہ دیا۔ آپ کیوں بڑی آپا کی ریڈ کروا رہی ہیں۔ مل جل کے ہلکا پھلکا ناشتہ تیار کر لیتے ہیں۔" مہ جبیں بھابھی نے شفیقہ کے پیچھے کچن جاتے ہوئے کہا۔

"جاؤ نادر! کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو' کہا ہے ناں چچا کو بلا کر لاؤ۔ بھائی سے کہو حلوہ پوریاں اور نہاری لے کر آئیں۔ میرے بچے آئے ہیں۔" خواجہ خلیق الرحمان کی خوشی سے سرشار آواز نے عمران کے کمرے تک سفر کیا۔ وہ طمانیت سے مسکرا دیا۔

"میں جاتی ہوں ابی۔" معطر ویسے ہی جانے کو بے چین تھی۔ موقع ملتے ہی کمرے میں چلی آئی۔

"یہ آپ اندھیرا کیے کیوں بیٹھے ہیں۔" اس نے آگے بڑھ کر دبیز پردے ہٹانے چاہے تاکہ روشنی ہو لیکن عقب سے اس نے جھٹکے کے ساتھ اسے کھینچ کر اپنے ساتھ لگا لیا۔

"بتیاں بجھائی رکھ دی..... میں بتیاں بجھائی رکھ دی۔"

وہ شرارت سے ہولے ہولے گنگنایا اور وہ جھینپ گئی۔

"آپ یہ بات بھی نہیں بھولیں گے..... ہے ناں۔"

"اج میری اک من لے تو.....

اج میری اک من لے تو....."

اس کی آواز میں شرارت اور زیادہ رچنے لگی تو معطر نے مصنوعی خفگی سے گھورا۔

"اچھا طریقہ ہے عید مبارک کہنے کا۔"

"ارے تمہیں سامنے پا کے تو میں سارے طریقے سلیقے بھول جاتا ہوں میرے میاں مٹھو۔ میں تو آج تک ڈھنگ سے تمہارا شکریہ تک ادا نہیں کر پایا۔

تم نے مجھے ابی کے سامنے سر اٹھا کر جینے کے قابل کر دیا۔ میں سوچتا تھا کتنا مشکل ہے ان کا کھویا ہوا اعتبار لوٹانا۔ لیکن تم نے کتنی آسانی سے یہ مرحلہ سر کر لیا اور ابی بھی جان گئے' جنہیں ساتھ رہنا ہو' ان کے لیے بازو وا رکھو اور جو جانا چاہے ان کے لیے دروازہ کھول دو۔ زبردستی کا ساتھ صرف بیزاری اور نفرت کو جنم دیتا ہے۔ دیکھ لو وہی بھابھیاں جو ایک دوسرے کو دیکھ نہیں پا رہی تھیں' آج ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے اکٹھی آئی ہیں۔ یہ تو دلوں کے سودے ہیں۔ اس میں زبردستی کیسی۔ ہو سکتا ہے ابی کی طرح انہوں نے بھی کوئی خواب دیکھ رکھا ہو اپنے گھر کے لیے..... ابی یہ بات سمجھ گئے ہیں بلکہ وقت انہیں سمجھا گیا ہے' اسی لیے انہوں نے کھلے دل سے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا ہے۔ اب اچانک کچھ اور کھو دینے کا خوف ان کی آنکھوں سے دور جا چکا ہے۔ انہوں نے برسوں پرانے خواب کو تھپکنا چھوڑ دیا ہے۔"

"اونہوں..... چھوڑ نہیں دیا..... طنابیں اب ہمارے ہاتھوں میں تھما دی ہیں۔" معطر نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔